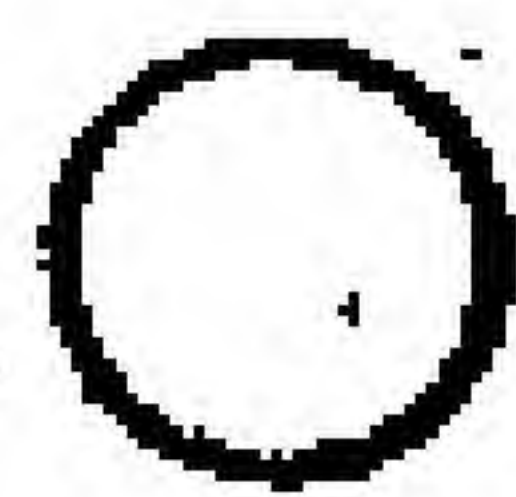


قرآن کی

چار بنیادی اصطلاحیں

اللہ، رب، عبادت اور دین

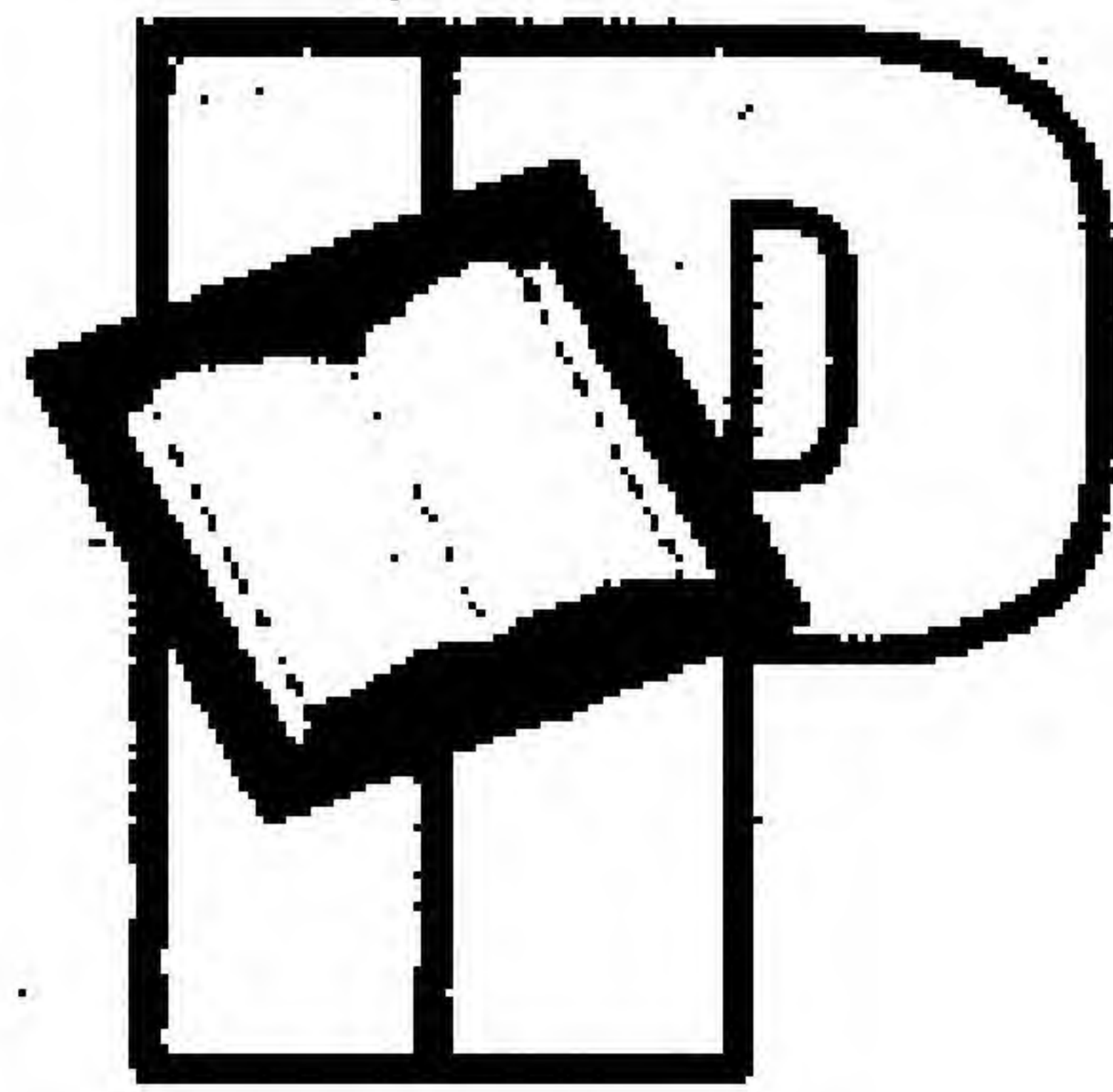
سید ابوالاعلیٰ مودودی



اسلامک پبلیشنگ کمپنیز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

۱۳۔ ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور (پاکستان)

(جملہ حقوق حق ناشر محفوظ ہیں)



نام کتاب: قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں
مصنف: سید ابوالاعلیٰ مودودی
اشاعت: ایڈیشن
تعداد: ۲۹۳۰۰
۱۱۰۰
۱-۲۹ اکتوبر ۱۹۷۳ء فروری ۱۹۹۴ء
۳۰۔ مئی ۲۰۰۰ء

اہتمام: پروفیسر محمد امین جاوید (مینگ ڈائریکٹر)
ناشر: اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۳۔ ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور (پاکستان)
فون: 7669546-7664504 فیکس: 7658674
ای میل: islamic@ms.net.pk
مطبع: میٹروپرنٹرز، لاہور

قیمت: 75/- روپے مجلد

قیمت: 54/- روپے غیر مجلد

فہرست مضامین

۷	مقدمہ
۹	اصطلاحات اربعہ کی اہمیت
۱۳	غلط فہمی کا اصل سبب
۱۳	غلط فہمی کے نتائج
۱۵	اللہ
۱۷	لغوی تحقیق
۲۵	اہل جاہلیت کا تصور اللہ
۲۶	انوپیت کے باب میں ملاک امر
۲۹	قرآن کا استدلال
۲۹	زب
۴۱	لغوی تحقیق
۴۴	قرآن میں لفظ رب کے استعمالات
۴۴	ربوبیت کے باب میں گمراہ قوموں کے تخیلات
۴۹	قوم نوح
۵۰	قوم عاد
۵۲	قوم ثمود
۵۹	قوم ابراہیم و نمرود
۶۱	قوم لوط
۶۳	قوم شعیب
	فرعون اور آل فرعون

یہود و نصاری

مشرکین عرب

قرآن کی دعوت

عبادت

لغوی تحقیق

لفظ عبادت کا استعمال قرآن میں

عبادت بمعنی غلامی و اطاعت

عبادت بمعنی اطاعت

عبادت بمعنی پرستش

عبادت بمعنی بندگی و اطاعت و پرستش

دین

لغوی تحقیق

قرآن میں لفظ دین کا استعمال

دین بمعنی اول و دوم

دین بمعنی سوم

دین بمعنی چہارم

دین ایک جامع اصطلاح

۷۶

۸۱

۸۹

۹۹

۱۰۱

۱۰۴

۱۱۰

۱۲۱

۱۲۴

۱۲۵

۱۲۷

۱۳۱

۱۳۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض ناشر

امت مسلمہ کے زوال کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو اس میں سرفہرست یہ سبب نظر آئے گا کہ اس نے قرآنی تعلیمات کو فراموش کر دیا، اور اس کی انقلابی دعوت سے نا آشنا ہو گئی۔ آج اگر ہم قرآن مجید کو پڑھتے بھی ہیں تو اس کے معانی و مفہوم سے بے خبر ہو کر محض رسماء یہی وہہ ہے کہ اپنے دکھوں کا علاج اور ترقی کا ذریعہ دنیا بھر کے افکار و نظریات میں تلاش کرتے ہیں۔ لیکن خود اس نسخہ و شفا سے استفادہ نہیں کرتے یا استفادہ کی اہلیت نہیں رکھتے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے نازل کیا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس کتاب کو لکھ کر قرآن کی اس ہی انقلابی دعوت کو واضح کیا ہے جس نے اونٹوں کی نیکیل پکڑنے والوں کو دنیا کا امام بنادیا تھا۔ اور اس کے ذریعے سے فہم قرآن کی راہ کو آسان بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف کو علوم قرآنی میں جو گہری بصیرت عطا فرمائی ہے۔ یہ کتاب اس کی پوری طرح آئینہ دار ہے۔

اس کتاب کی معنوی خوبیوں کے پیش نظر ہم اس کو آفسٹ کی حسین کتابت و طباعت سے مزین کر کے پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین اس

بنیاد یہ کتاب کو اس شکل میں پسند فرمائیں گے۔

بینک ڈاکٹر

اس کی سیکرٹریز آر پی ایچ ٹی، ٹیپسٹ

۱۲۔ ائی شاہ عالم ہارکیٹ، لاہور (پاکستان)۔

مُقَدِّمہ

اللہ، رب، دین اور عبادت، یہ چار لفظ قرآن کی اصطلاحی زبان میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ قرآن کی ساری دعوت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا رب والہ ہے، اس کے سوا نہ کوئی اللہ ہے نہ رب، اور نہ الوہیت و ربوبیت میں کوئی اس کا شریک ہے، لہذا اسی کو اپنا اللہ اور رب تسلیم کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی الوہیت و ربوبیت سے انکار کرو، اس کی عبادت اختیار کرو اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اس کے لیے اپنے دین کو خالص کر لو اور ہر دوسرے دین کو رد کرو۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ
أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ - (الانبیاء - ۲۵)

ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کی طرف یہی وحی کی
ہے، کہ ”میرے سوا کوئی اللہ نہیں ہے لہذا میری عبادت کرو“
وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا إِلَهًا لَا هُوَ
سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ - (التوبہ - ۳۱)

اور ان کو کوئی حکم نہیں دیا گیا بجز اس کے کہ ایک ہی اللہ کی عبادت
کریں۔ اس کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے، وہ پاک ہے اس شرک سے
جو وہ کرتے ہیں۔

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ

فَاعْبُدُونِ - (الانبیاء - ۹۲)

یقیناً تمہارا (یعنی تمام انبیاء کا) یہ گروہ ایک ہی گروہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں لہذا میری عبادت کرو۔

قُلْ اَغْيَرُ اللّٰهَ اَبْنٰى رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ -

(انعام - ۱۶۵)

کہو، کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا - (کہف - ۱۱۰)

تو جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہے اُسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کی عبادت شریک نہ کرے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ - (نحل - ۳۶)

ہم نے ہر قوم میں ایک رسول اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے پرہیز کرو۔

اَفَغْيَرُوْهُنَّ اِلٰهًا يَّبْعُوْنَ وَلَهُ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ - (آل عمران - ۸۳)

تو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں۔ حالانکہ جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب چاروں اسی کی مطیع ہیں اور اسی کی طرف انہیں پلٹ کر جانا ہے۔

قُلْ اِنِّىْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّيْنَ -

(زمر - ۱۱)

اسے نبی کہو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اپنے دین کو
اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ
مُسْتَقِيمٌ۔ (آل عمران - ۵۱)

اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تم سب کا بھی۔ لہذا اُسی کی عبادت
کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

یہ چند آیات محض نمونہ کے طور پر ہیں۔ ورنہ جو شخص قرآن کو پڑھے
گا وہ اقول نظر میں محسوس کرے گا کہ قرآن کا سارا بیان انہی چار
اصطلاحوں کے گرد گھوم رہا ہے۔ اس کتاب کا مرکزی خیال
(CENTRAL IDEA) یہی ہے کہ:-

اللہ رب اور الہ ہے۔

اور ربوبیت والہیت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہے۔

لہذا عبادت اسی کی ہونی چاہیے۔

اور دین خالصہ اسی کے لیے ہونا چاہیے۔

اصطلاحات اربعہ کی اہمیت

اب یہ ظاہر بات ہے کہ قرآن کی تعلیم کو سمجھنے کے لیے ان چاروں
اصطلاحوں کا صحیح اور مکمل مفہوم سمجھنا بالکل ناگزیر ہے۔ اگر کوئی شخص نہ جانتا ہو
کہ اللہ اور رب کا مطلب کیا ہے؟ عبادت کی کیا تعریف ہے؟ اور دین کے
کہتے ہیں؟ تو دراصل اس کے لیے پورا قرآن بے معنی ہو جائے گا۔ وہ نہ توحید
کو جان سکے گا، نہ شرک کو سمجھ سکے گا، نہ عبادت کو اللہ کے لیے مخصوص کر سکے
گا، اور نہ دین ہی اللہ کے لیے خالص کر سکے گا۔ اسی طرح اگر کسی کے ذہن میں
ان اصطلاحوں کا مفہوم غیر واضح اور نامکمل ہو تو اس کے لیے قرآن کی پوری
تعلیم غیر واضح ہوگی اور قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود اس کا عقیدہ اور عمل

دونوں ناممکن رہ جائیں گے۔ وہ لا الہ الا اللہ کہتا رہے گا اور اس کے باوجود بہت سے ارباب من دون اللہ اس کے رب بنے رہیں گے۔ وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ کہے گا کہ میں اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا، اور پھر بھی بہت سے یہودوں کی عبادت میں مشغول رہے گا۔ وہ پورے زور کے ساتھ کہے گا کہ میں اللہ کے دین میں ہوں، اور اگر کسی دوسرے دین کی طرف اسے منسوب کیا جائے تو لڑنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ مگر

اس کے باوجود بہت سے وینوں کا قلاوہ اس کی گردن میں پڑا رہے گا۔ اس کی زبان سے کسی غیر اللہ کے لیے ”الہ“ اور ”رب“ کے الفاظ تو کبھی نہ نکلیں گے مگر یہ الفاظ جن معانی کے لیے وضع کیے گئے ہیں ان کے لحاظ سے اس کے بہت سے الہ اور رب ہوں گے اور اس بچا پسے کو خبر تک نہ ہوگی کہ میں نے واقعی اللہ کے سوا دوسرے ارباب والہ بنا رکھے ہیں۔ اس کے سامنے اگر آپ کہہ دیں کہ تو دوسروں کی ”عبادت“ کر رہا ہے اور ”دین“ میں شرک کا مرتکب ہو رہا ہے تو وہ پتھر مارنے اور منہ نوچنے کو دوشے گا مگر عبادت اور دین کی جو حقیقت ہے اس کے لحاظ سے واقعی وہ دوسروں کا عابد اور دوسروں کے دین میں داخل ہوگا اور نہ جانے گا کہ یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ حقیقت میں دوسروں کی عبادت ہے اور یہ حالت جس میں مبتلا ہوں یہ حقیقت میں غیر اللہ کا دین ہے۔

غلط فہمی کا اصل سبب :

عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ اللہ کے کیا معنی ہیں اور رب کسے کہتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے، انہیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے، اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ اللہ ہی اکیلا الہ اور رب ہے اور الٰہیت ربوبیت میں کسی کا قطعاً کوئی حصہ نہیں، تو وہ پوری بات کو پاگئے انہیں بلا کسی التباس و شبہ

کے معلوم ہو گیا کہ دوسروں کے لیے کس چیز کی نفی کی جا رہی ہے اور اللہ کے لیے کس چیز کو خاص کیا جا رہا ہے۔ جنہوں نے مخالفت کی یہ جان کر کہ غیر اللہ کی الوہیت اور بوبیت کے انکار سے کہاں کہاں ضرب پڑتی ہے، اور جو ایمان لائے وہ یہ سمجھ کر ایمان لائے کہ اس عقیدہ کو قبول کر کے ہمیں کیا چھوڑنا اور کیا اختیار کرنا ہو گا۔ اسی طرح عبادت اور دین کے الفاظ بھی ان کی بولی میں پہلے سے رائج تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ عبد کیسے کہتے ہیں، عبودیت کس حالت کا نام ہے، عبادت سے کونسا روپیہ مراد ہے، اور دین کا کیا مفہوم ہے، اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ سب کی عبادت چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرو، اور ہر دین سے الگ ہو کر اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ، تو انہیں قرآن کی دعوت سمجھنے میں کوئی غلط فہمی پیش نہ آئی۔ وہ سننے ہی سمجھ گئے کہ یہ تعلیم ہماری زندگی کے نظام میں کس نوعیت کے تغیر کی طالب ہے۔

لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصل معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لیے اللہ اور رب اور دین اور عبادت کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے۔ انہی دونوں وجوہ سے دور اخیر کی کتب لغت و تفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے۔ مثلاً:-

لفظ اللہ کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنا دیا گیا،

رب کو پالنے اور پوسنے والے یا پروردگار کا مترادف ٹھہرایا گیا،

عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کے کیے گئے،
 دین کو دھرم اور مذہب اور (Religion) کے مقابلہ کا لفظ
 قرار دیا گیا۔

طاغوت کا ترجمہ بت یا شیطان کیا جانے لگا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصل مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو گیا۔ قرآن
 کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو الٰہ نہ بناؤ۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بتوں اور دیوتاؤں
 کو چھوڑ دیا ہے لہذا قرآن کا منشا پورا کر دیا، حالانکہ اللہ کا مفہوم اور جن جن چیزوں
 پر عائد ہوتا ہے ان سب کو وہ اچھی طرح پکڑے ہوئے ہیں اور انہیں خبر نہیں
 ہے کہ یہ ہم غیر اللہ کو الٰہ بنا رہے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو رب
 تسلیم نہ کرو۔ لوگ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ کے سوا کسی کو پروردگار نہیں
 مانتے لہذا ہماری توحید مکمل ہو گئی، حالانکہ رب کا اطلاق اور جن مفہومات پر
 ہوتا ہے ان کے لحاظ سے اکثر لوگوں نے خدا کے بجائے دوسروں کی ربوبیت
 تسلیم کر رکھی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ طاغوت کی عبادت چھوڑ دو اور صرف اللہ کی
 عبادت کرو۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بتوں کو نہیں پوجتے، شیطان پر لعنت بھیجتے
 ہیں، اور صرف اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، لہذا ہم نے قرآن کی یہ بات بھی پوری
 کر دی، حالانکہ پتھر کے بتوں کے سوا دوسرے طاغوتوں سے وہ چپٹے ہوئے ہیں
 اور پرستش کے سوا دوسری قسم کی تمام عبادتیں انہوں نے اللہ کے بجائے
 غیر اللہ کے لیے خاص کر رکھی ہیں یہی حال دین کا ہے کہ اللہ کے لیے دین کو
 خالص کرنے کا مطلب صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی ”مذہب اسلام“ قبول
 کر لے اور ہندو یا عیسائی یا یہودی نہ رہے۔ اس بنا پر ہر وہ شخص جو ”مذہب
 اسلام“ میں ہے یہ سمجھ رہا ہے کہ میں نے اللہ کے لیے دین کو خالص کر رکھا
 ہے، حالانکہ دین کے وسیع تر مفہوم کے لحاظ سے اکثریت ایسے لوگوں کی
 ہے جن کا دین اللہ کے لیے خالص نہیں ہے۔

غلط فہمی کے نتائج :

پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان پار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعبیر، بلکہ اس کی روح نکال ہوں سے مستور ہو گئی ہے، اور اسلام قبول کرنے کے باوجود لوگوں کے عقائد و عملان میں جو نقائص نظر آ رہے ہیں ان کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔ لہذا قرآن مجید کی مرکزی تعبیر اور اس کے حقیقی مدعا کو واضح کرنے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان اصطلاحوں کی پوری پوری تشریح کی جائے۔

گرچہ میں اس سے پہلے اپنے متعدد مضامین میں ان کے مفہوم پر روشنی ڈالنے کی کوشش کر چکا ہوں۔ لیکن جو کچھ اب تک میں نے بیان کیا ہے وہ نہ تو بجائے خود تمام غلط فہمیوں کو صاف کرنے کے لیے کافی ہے، اور نہ اس سے لوگوں کو پوری طرح اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس مضمون میں میں کوشش کروں گا کہ ان پار اصطلاحوں کا مکمل مفہوم واضح کر دوں، اور کوئی ایسی بات بیان نہ کروں جس کا ثبوت لغت اور قرآن سے نہ ملتا ہو۔

الش

لغوی تحقیق :-

اس لفظ کا مادہ ال کا ہے۔ اس مادہ سے جو الفاظ لغت میں آئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے :-

آلِہ اذ اتحیّر، حیران و سرگشتہ ہوا۔

الہت الی فلان ائی سکتت الیہ۔ اس کی پناہ میں جا کر یا اس سے تعلق پیدا کر کے میں نے سکون و اطمینان حاصل کیا۔

آلِہ الرَّجُلُ یَالِہ اذ اقزع من امر نزل بہ فاللہ غیوہ ائی آجاذ کا۔ آدمی کسی مصیبت یا تکلیف کے نزول سے خوف زدہ ہوا اور دوسرے نے اس کو پناہ دی۔

آلِہ الرَّجُلُ الی الرَّجُلِ اتجہ الیہ لشدّة شوقہ الیہ۔ آدمی نے دوسرے کی طرف شدت شوق کی وجہ سے توجہ کی۔

آلِہ الفصیل اذ اولیہ بامّہ۔ اونٹنی کا بچہ جو اس سے پھر گیا تھا ماں کو پاتے ہی اس سے چمٹ گیا۔

لَا یلیہ لیہا ولا ہا اذ احتجب۔ پوشیدہ مستور ہوا۔ نیز ارا تغم یعنی بلند ہوا۔

آلِہ اللہ واللّٰہ واللّٰہ واللّٰہ عبادت کی۔

ان تمام معانی مصدر پر پر غور کرنے سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ آلِہ

يَا اَللهُ اَللهُ کے معنی عبادت و پرستش اور اللہ کے معنی معبود کس مناسبیت سے پیدا ہوئے:-

۱۔ انسان کے ذہن میں عبادت کے لیے اولین تحریک اپنی حاجت مندی سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ کسی کی عبادت کا خیال تک نہیں کر سکتا جب تک اسے یہ گمان نہ ہو کہ وہ اس کی حاجتیں پوری کر سکتا ہے، خطرات اور مصائب میں اسے پناہ دے سکتا ہے، اور خطرات کی ممانعت میں اسے سکون بخش سکتا ہے۔

۲۔ پھر یہ بات کہ آدمی کسی کو حاجت روا سمجھے اس تصور کے ساتھ لازم و ملزوم کا تعلق رکھتی ہے کہ وہ اسے اپنے سے بالاتر سمجھے اور نہ صرف مرتبہ کے اعتبار سے اس کی بڑی تسلیم کرے، بلکہ طاقت اور زور کے اعتبار سے بھی اس کی بالادستی کا قائل ہو۔

۳۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سلسلہ اسباب و علل کے تحت جن چیزوں سے بالعموم انسان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں، اور جن کی حاجت روائی کا سارا عمل انسان کی آنکھوں کے سامنے یا اس کے محدود علم کے اندر واقع ہوتا ہے ان کے متعلق پرستش کا کوئی جذبہ اس میں پیدا نہیں ہوتا مثلاً مجھے خرچ کے لیے روپے کی ضرورت ہوتی ہے، میں جا کر ایک شخص سے نوکری یا مزدوری کی درخواست کرتا ہوں، وہ میری درخواست کو قبول کر کے مجھے کوئی کام دیتا ہے اور اس کام کا معاوضہ مجھے دے دیتا ہے۔ یہ سارا عمل چونکہ میرے حواس اور علم کے دائرے کے اندر پیش آیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس نے میری یہ حاجت کس طرح پوری کی ہے، اس لیے میرے ذہن میں اس کے لائق پرستش ہونے کا وہم تک نہیں گزرتا پرستش کا تصور میرے ذہن میں صرف اس حالت میں پیدا ہو سکتا ہے جبکہ کسی کی شخصیت یا اس کی طاقت یا اس کی حاجت روائی و

اثر اندازی کی کیفیت پر راز کا پردہ پڑا ہوا ہو۔ اسی لیے معبود کے معنی میں وہ لفظ اختیار کیا گیا جس کے اندر رفعت کے ساتھ پوشیدگی اور حیرانی و سرگشتگی کا مفہوم بھی شامل ہے۔

۴۔ پھر جس کے متعلق بھی انسان یہ گمان رکھتا ہو کہ وہ احتیاج کی حالت میں حاجت روائی کر سکتا ہے، خطرات میں پناہ دے سکتا ہے، اضطراب میں سکون بخش سکتا ہے، اس کی طرف انسان کا اشتیاق کے ساتھ توجہ کرنا ایک امر ناگزیر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ معبود کے لیے الہ کا لفظ جن تصورات کی بنا پر بولا گیا وہ یہ ہیں۔ حاجت روائی۔ پناہ دہندگی۔ سکون بخشی۔ بالاتری و بالادستی۔ ان اختیارات اور ان طاقتوں کا مالک ہونا جن کی وجہ سے یہ توقع کی جائے کہ معبود قاضی الحاجات اور پناہ دہندہ ہو سکتا ہے۔ اس کی شخصیت کا پُر اسرار ہونا یا منظر عام پر نہ ہونا۔ انسان کا اس کی طرف مشتاق ہونا۔ اہل جاہلیت کا تصور الہ:

اس لغوی تحقیق کے بعد ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اُلوہیت کے متعلق اہل عرب اور اُنم قدیمہ کے وہ کیا تصورات تھے جن کی تردید قرآن کرنا چاہتا ہے۔

(۱) وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا۔ (مریم - ۸۱)

اور انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے الہ بنائے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے ذریعہ قوت ہوں یا ان کی حمایت میں آکر وہ محفوظ رہیں۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ۔ (یس - ۷۴)

اور انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے الہ بنائے ہیں اس امید

پر کہ ان کی مدد کی جائے گی یعنی وہ اللہ اُن کی مدد کریں گے،
 ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت جن کو اللہ کہتے تھے
 ان کے متعلق وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان کے پشتیبان ہیں، مشکلات اور مصائب
 میں ان کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی حمایت میں وہ خوف اور نقصان سے
 محفوظ ہو جاتے ہیں۔

(۲) فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ
 دُونِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ لَمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُهُمْ
 غَيْرَ تَتَابَعٌ - (ہود - ۱۰۱)

جب تیرے رب کے فیصلہ کا وقت آگیا تو اُن کے وہ الہ جنہیں
 وہ اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے، ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے اور وہ
 ان کے لیے تباہی و ہلاکت کے سوا کسی اور چیز میں اضافہ کا سبب نہ
 بنے۔

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ
 شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ - أَمْثَلُ غَيْرِ أَحْيَاءٍ وَمَا
 يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ - إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ -

(النحل - ۲۰ - ۲۲)

اور اللہ کے بجائے جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے بھی
 خالق نہیں ہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ، اور انہیں یہ بھی
 خبر نہیں ہے کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ تمہارا
 الہ تو ایک ہی الہ ہے۔

لَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ -

(قصص - ۸۸)

اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الہ کو نہ پکارو اس کے سوا

کوئی الہ نہیں۔

فَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ إِيَّاهُ
يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ۔ (یونس۔ ۶۶)

جو لوگ اللہ کے بجائے دوسرے شریکوں کو پکارتے ہیں وہ محض

وہم پر چلتے ہیں اور نری انگلیں دوڑاتے ہیں۔

ان آیات سے چند امور پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ اہل جاہلیت جن کو الہ کہتے تھے، انہیں مشکل کشائی و حاجت روائی کے لیے پکارتے یا بالفاظ دیگر ان سے دُعا مانگتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان کے یہ الہ صرف جن یا فرشتے یا دیوتا ہی نہ تھے بلکہ وفات یافتہ انسان بھی تھے، جیسا کہ امواتٌ غَیْرُ اَحْیَاءِ وَمَا يَشْعُرُونَ اَيَّانَ يُبْعَثُونَ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان الہوں کے متعلق وہ یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ ان کی دعاؤں کو سنتے ہیں اور ان کی مدد کو پہنچنے پر قادر ہیں۔

یہاں دعا کے مفہوم اور اس امداد کی نوعیت کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے جس کی الہ سے توقع کی جاتی ہے۔ اگر مجھے پیاس لگتی ہے اور میں اپنے خادم کو پانی لانے کے لیے پکارتا ہوں، یا اگر میں بیمار ہوتا ہوں اور علاج کے لیے ڈاکٹر بلاتا ہوں، تو اس پر نہ دُعا کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ اس کے معنی خادم یا ڈاکٹر کو الہ بنانے کے ہیں۔ کیونکہ یہ سب کچھ سلسلہ اسباب کے تحت ہے نہ کہ اس سے مافوق۔ لیکن اگر میں پیاس کی حالت میں یا بیماری میں خادم یا ڈاکٹر کو پکارنے

سے یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ قرآن میں لفظ الہ دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک وہ معبود جس کی فی الواقع عبادت کی جارہی ہو قطع نظر اس کے کہ حق ہو یا باطل۔ دوسرے وہ معبود جو درحقیقت عبادت کا مستحق ہو۔ اس آیت میں الہ کا لفظ دو جگہ اپنی دو الگ الگ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

کے بجائے کسی ولی یا کسی دیوتا کو پکارتا ہوں تو یہ ضرور اس کو اللہ بنانا اور اس سے دعا مانگنا ہے، کیونکہ جو ولی صاحبِ مجاہدہ سے سینکڑوں میل دور کسی قبر میں آرام فرما رہے ہیں۔ ان کو پکارنے کے معنی یہ ہیں کہ میں ان کو سمیع و بصیر سمجھتا ہوں اور یہ خیال رکھتا ہوں کہ عالم اسباب پر ان کی فرمانروائی قائم ہے جس کی وجہ سے وہ مجھ تک پانی پہنچانے یا میری بیماری کو دور کر دینے کا انتظام کر سکتے ہیں علیٰ ہذا القیاس ایسی حالت میں کسی دیوتا کو پکارنے کے معنی یہ ہیں کہ پانی یا صحت یا مرض پر اس کی حکومت ہے اور وہ فوق الطبعی طور پر میری حاجت پوری کرنے کے لیے اسباب کو حرکت دے سکتا ہے۔ پس اللہ کا وہ تصور جس کی بنا پر دعا مانگی جاتی ہے، لامحالہ ایک فوق الطبعی اقتدار (supernatural Authority) اور اس کے ساتھ ہی فوق الطبعی قوتوں کے مالک ہونے کا تصور ہے۔

(۳) وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَ لَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ وَصَرَّفْنَا
الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ فَلَوْلَا نَصْرُهُمْ أَذْبَانِ
اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ
وَذَٰلِكَ أَفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْقَهُونَ۔ (احقاف، ۲۷-۲۸)

تمہارے ارد گرد جن بستیوں کے آٹھارہ ہیں ان کو ہم ہلاک کر چکے ہیں۔ انہیں ہم نے بار بار بدل کر اپنی نشانیاں دکھائی تھیں تاکہ وہ رجوع کریں تو جن کو انہوں نے تقرب کا ذریعہ سمجھ کر اللہ کے سوا اپنا اللہ بنایا تھا۔ انہوں نے نزولِ عذاب کے وقت کیوں نہ ان کی مدد کی؟ مدد تو درکنار وہ تو انہیں چھوڑ کر غائب ہو گئے۔ یہ بھی حقیقت ان کے جھوٹ اور ان کی من گھڑت باتوں کی۔

وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔
أَتَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ آلِهَةً إِنْ يُرِيدِ الْوَاحِدُ مِنَ
الْبَشَرِ أَنْ يُبْعَثَ لَا تَعْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُون۔ (ریش، ۲۲-۲۳)

کیوں نہ ہیں اس کی عبادت کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کی طرف تم سب کو پلٹنا ہے؟ کیا اس کے سوا میں ان کو الہ بناؤں جن کا حال یہ ہے کہ اگر رحمن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارشیں میرے کچھ کام نہیں آسکتی اور وہ مجھے چھڑا نہیں سکتے۔

وَالْعَصَايِیْنَ اَتَّخَذْنَا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِیَاءَ مَا تَعْبُدُوْهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ۔ (الزمر-۳)

اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے حانی و کار ساز بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں وہ اللہ سے قریب کر دیں، اللہ ان کے درمیان اس معاملہ کا فیصلہ (قیامت کے روز) کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

وَلِیَعْبُدُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَعْبُدُوْهُمْ وَلَا ینْفَعُوْهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ لَآءِیْ شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ (یونس-۱۸)

وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچانے پر قادر ہیں نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

ان آیات سے چند مزید باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت اپنے الہوں سے متعلق یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ساری خدائی انہی کے درمیان تقسیم ہو گئی ہے اور ان کے اوپر کوئی خداوندِ اعلیٰ نہیں ہے۔ وہ واضح طور پر ایک خداوندِ اعلیٰ کا تصور رکھتے تھے جس کے لیے ان کی زبان میں اللہ کا لفظ تھا، اور دوسرے الہوں کے متعلق ان کا اصل عقیدہ یہ تھا کہ اس خداوندِ اعلیٰ کی خدائی میں ان الہوں کا کچھ دخل اور اثر ہے، ان کی بات مانی جاتی ہے، ان کے ذریعہ سے ہمارے کام بن سکتے ہیں، ان کی سفارش سے ہم نفع حاصل کر سکتے ہیں اور نقصانات سے بچ سکتے ہیں۔ انہی خیالات کی بنا پر وہ اللہ کے ساتھ ان کو

بھی اللہ قرار دیتے تھے۔ لہذا ان کی اصطلاح کے مطابق کسی کو خدا کے ہاں سفارشی قرار دے کر اس سے مدد کی التجا کرنا اور اس کے آگے مراسم تعظیم و تکریم بجالانا اور نذر و نیاز پیش کرنا اس کو اللہ بنانا ہے۔

(۴) وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا آلَ هَارُونَ أَنْبِيَاءَ إِنَّهُمْ هُمُ الْوَالِدُ
وَاحِدٌ فَأَيُّ بَنَاتٍ فَازَهُبُونَ۔ (النحل - ۵۱)

اللہ فرماتا ہے کہ دو والد نہ بناؤ، اللہ تو ایک ہی ہے۔ لہذا تم بھی

سے ڈرو۔

وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ عِزِّيُّنَا۔

(انعام - ۸۰)

اور ابراہیمؑ نے کہا کہ میں ان سے ہرگز نہیں ڈرتا جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ الایہ کہ میرا رب ہی کچھ چاہے تو وہ البتہ ہو سکتا ہے۔

إِنْ تَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوْعٍ۔ (ہود - ۵۲)
ہود علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا کہ ہم تو کہتے

۱۔ یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ سفارشیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو کسی نہ کسی نوع کے زور و اثر پر مبنی ہو اور بہر حال منوا کر ہی چھوڑی جائے۔ دوسری وہ جو محض ایک التجا اور درخواست کی حیثیت میں ہو اور جس کے پیچھے کوئی منوا لینے کا زور نہ ہو پہلے مفہوم کے لحاظ سے کسی کو شفیع یا سفارشی سمجھنا اسے اللہ بنانا اور خدائی میں اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے۔ اور قرآن اسی شفاعت کی تردید کرتا ہے۔ رہا دوسرا مفہوم تو اس لحاظ سے انبیاء ملائکہ، صلحاء، اہل ایمان اور سب بندے دوسرے بندوں کے حق میں شفاعت کر سکتے ہیں اور خدا کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ کسی کی شفاعت قبول کرے یا نہ کرے۔ قرآن اس شفاعت کا اثبات کرتا ہے۔

ہی کہ تجھ پر ہمارے الہوں میں سے کسی کی مار پڑی ہے۔
 ان آیات سے معلوم ہوا کہ اہل جاہلیت اپنے الہوں سے یہ خوف رکھتے
 تھے کہ اگر ہم نے ان کو کسی طرح ناراض کر دیا، یا ان کی توجہات و عنایات سے محروم
 ہو گئے تو ہم پر بیماری، قحط، نقصانِ جان و مال اور دوسری قسم کی آفات نازل
 ہو جائیں گی۔

(۵) اِتَّخَذُوا اَحْبَادَهُمْ وُرُثَةً لِّهِمْ اَزْ بَابِ مَقْرِبَةٍ
 دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا
 إِلَهًا وَاحِدًا إِلَهًا لَا هُوَ۔ (التوبہ - ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا،
 اور مسیح ابن مریم کو بھی رب ٹھہرایا، حالانکہ انہیں صرف ایک الہ کی عبادت
 کا حکم دیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی اور الہ نہیں ہے۔
 أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهًا هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ
 وَكِيلًا۔ (الفرقان - ۲۲)

تیرا کیا خیال ہے اس شخص کے متعلق جس نے اپنی خواہش نفس
 کو الہ بنالیا ہے؟ کیا تو اس کی ذمہ داری لے سکتا ہے؟
 وَكَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ
 أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ۔ (انعام - ۱۳۷)
 اس طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے ٹھہرائے ہوئے
 شریکوں (یعنی شرکاء فی الالوہیت) نے اپنی اولاد کو قتل کرنے کا فعل
 خوشنما بنا دیا۔

أَمْرُهُمْ شُرُكُؤُهُمْ شَرَعُوا لَهُمِ الدِّينَ فَاَلَمَ
 يَأْذَنَ بِهِ اللَّهُ۔ (الشوری - ۲۱)

کیا وہ ایسے شرکاء (یعنی شرکاء فی الالوہیت) رکھتے ہیں جنہوں

نے ان کے لیے از قسیم دین ایسی شریعت مقرر کی ہے جس کی اعجازت اللہ
نے نہیں دی۔

ان آیات میں اللہ کا ایک اور مفہوم ملتا ہے جو پہلے مفہومات سے بالکل
مختلف ہے۔ یہاں فوق الطبعی اقتدار کا کوئی تصور نہیں ہے جس کو اللہ بنایا گیا
ہے وہ یا تو کوئی انسان ہے یا انسان کا اپنا نفس ہے۔ اور اللہ اس کو اس
معنی میں نہیں بنایا گیا ہے کہ اس سے دعا مانگی جاتی ہو یا اسے نفع و نقصان کا
مالک سمجھا جاتا ہو، اور اس سے پناہ ڈھونڈی جاتی ہو۔ بلکہ وہ اللہ اس معنی میں
بنایا گیا ہے کہ اس کے حکم کو قانون تسلیم کیا گیا، اس کے امر و نہی کی اطاعت کی
گئی، اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام مان لیا گیا، اور یہ خیال کر
لیا گیا کہ اس کو بجائے خود حکم دینے اور منع کرنے کا اختیار حاصل ہے، کوئی
اور اقتدار اس سے بالاتر نہیں ہے جس کی سند لینے اور جس سے رجوع کرنے
کی ضرورت ہو۔

پہلی آیت میں علماء اور راہبوں کو اللہ بنانے کا ذکر ہے۔ اس کی واضح
تشریح ہم کو حدیث میں ملتی ہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے جب
اس آیت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس
چیز کو تمہارے علماء اور راہبوں نے حلال کیا اسے تم لوگ حلال مان لیتے تھے،
اور جسے حرام قرار دیا اسے تم حرام تسلیم کر لیتے تھے اور اس بات کی کچھ پروا نہ
کرتے تھے کہ اللہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے۔

یہی دوسری آیت تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جو شخص اپنی فواحش
نفس کی اطاعت کرتا ہو اور اسی کے حکم کو بالاتر رکھتا ہو وہ دراصل اپنے نفس
ہی کو اپنا اللہ بنائے ہوئے ہے۔

اس کے بعد والی دونوں آیتوں میں اگرچہ اللہ کے بجائے شریک کا لفظ آیا
ہے، مگر جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں واضح کیا ہے، شریک سے مراد الہیت میں

شریک ٹھہرا نا ہے۔ اور یہ دونوں آیتیں صاف فیصلہ کرتی ہیں کہ جو لوگ اللہ کے حکم کی سند کے بغیر کسی کے مقرر کیے ہوئے رواج یا ضابطہ یا طریقہ کو جائز قانون سمجھتے ہیں وہ اس قانون ساز کو الہیت میں خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

الوہیت کے باب میں ملاک امر

اللہ کے یہ جتنے مفہومات اور پر بیان ہوئے ہیں ان سب کے درمیان ایک منطقی ربط ہے۔ جو شخص فوق الطبعی معنی میں کسی کو اپنا حامی و بددگار، شکل کشا اور حاجت روا، دعاؤں کا سننے والا اور نفع یا نقصان پہنچانے والا سمجھتا ہے۔ اس کے ایسا سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک وہ ہستی نظام کائنات میں کسی نہ کسی نوعیت کا اقتدار رکھتی ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی سے تقوٰے اور خوف کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ناراضی میرے لیے نقصان کی اور رضامندی میرے لیے فائدے کی موجب ہے اس کے اس اعتقاد اور اس عمل کی وجہ بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے ذہن میں اس ہستی کے متعلق ایک طرح کے اقتدار کا تصور رکھتا ہے۔ پھر جو شخص خداوند اعلیٰ کے ماننے کے باوجود اس کے سوا دوسروں کی طرف اپنی حاجات کے لیے رجوع کرتا ہے اس کے اس فعل کی علت بھی صرف یہی ہے کہ خداوندی کے اقتدار میں وہ ان کو کسی نہ کسی طرح کا حصہ دار سمجھ رہا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس وہ شخص جو کسی کے حکم کو قانون اور کسی کے امر و نہی کو اپنے لیے واجب الطاعت قرار دیتا ہے وہ بھی اس کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کرتا ہے۔ پس الوہیت کی اصل روح اقتدار ہے، خواہ وہ اقتدار اس معنی میں سمجھا جائے کہ نظام کائنات پر اس کی فرماں روائی فوق الطبعی نوعیت کی ہے، یا وہ اس معنی میں تسلیم کیا جائے کہ دنیوی زندگی میں انسان اس کے تحت امر ہے اور اس کا حکم بذات خود واجب الطاعت ہے۔

قرآن کا استدلال:

یہی اقتدار کا تصور ہے جس کی بنیاد پر قرآن اپنا سارا زور غیر اللہ کی الہیت کے انکار اور صرف اللہ کی الہیت کے اثبات پر صرف کرتا ہے۔ اس کا استدلال یہ ہے کہ زمین اور آسمان میں ایک ہی ہستی تمام اختیارات کی مالک ہے۔ خلق اسی کی ہے، نعمت اسی کی ہے، امر اسی کا ہے، قوت اور زور بالکل اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر چیز پار و نا پار اسی کی اطاعت کر رہی ہے، اس کے سوا نہ کسی کے پاس کوئی اقتدار ہے، نہ کسی کا حکم چلتا ہے، نہ کوئی خلق اور تدبیر اور انتظام کے رازوں سے واقف ہے اور نہ کوئی اختیارات حکومت میں ذرہ برابر شریک و حصہ دار ہے۔ لہذا اس کے سوا حقیقت میں کوئی الہ نہیں ہے، اور جب حقیقت میں کوئی دوسرا الہ نہیں ہے تو تمہارا ہر وہ فعل جو تم دوسروں کو الہ سمجھتے ہوئے کرتے ہو، اصلاً غلط ہے، خواہ وہ دعا مانگنے یا پناہ ڈھونڈنے کا فعل ہو، یا سفارشی بنانے کا فعل ہو، یا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کا فعل ہو۔ یہ تمام تعلقات جو تم نے دوسروں سے قائم کر رکھے ہیں صرف اللہ کے لیے مخصوص ہونے چاہئیں، کیونکہ وہی اکیلا صاحب اقتدار ہے۔

اس باب میں قرآن جس طریقہ سے استدلال کرتا ہے وہ اسی کی زبان سے سنئے۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ
الْعَلِيمُ۔ (الزخرف - ۸۴)

وہی ہے جو آسمان میں بھی الہ ہے اور زمین میں بھی الہ ہے اور وہی حکیم اور علیم ہے، یعنی آسمان و زمین میں حکومت کرنے کے لیے جس علم اور حکمت کی ضرورت ہے وہ اسی کے پاس ہے،

أَقَمْنِ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ

..... وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ
شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ..... إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ.

(النحل - ۱۷-۲۲)

تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور جو پیدا نہیں کرتا دونوں یکساں ہو
سکتے ہیں؟ کیا تمہاری سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی؟..... خدا کو چھوڑ کر
یہ جن دوسروں کو پکارتے ہیں وہ تو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے، بلکہ
خود پیدا کیے جاتے ہیں..... تمہارا الہ تو ایک ہی الہ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ
مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
وَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَآتَىٰ تَوْفِيقًا - (فاطر - ۳)

لوگو! تم پر اللہ کا جو احسان ہے اس کا دھیان کرو۔ کیا اللہ کے سوا
کوئی دوسرا خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اس
کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ پھر تم کدھر بھٹکائے جا رہے ہو؟
قُلْ أَذْأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَ أَبْصَارَكُمْ
وَحَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِ اللَّهِ يَأْتِيَكُمْ بِهِ۔

(انعام - ۴۶)

کہو! تم نے کبھی سوچا کہ اللہ تمہاری سننے اور دیکھنے کی قوتیں سلب
کر لے اور تمہارے دلوں پر جبر کر دے (یعنی عقل چھین لے) تو اللہ
کے سوا کونسا الہ ہے جو یہ چیزیں تمہیں لادے گا؟

وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ
وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ قُلْ أَذْأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ
اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِّنْ إِلَٰهٍ
غَيْرِ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَآءٍ أَمْ لَا تَسْمَعُونَ۔ قُلْ أَذْأَيْتُمْ

إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ
مَنْ إِلَّا غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِلِيلٍ تُشْكُون فِيهِ أَفَلَا
تُبْصِرُونَ - (قصص - ۷۰-۷۲)

اور وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے۔ اسی کے
لیے تعریف ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور وہی اکیلا صاحبِ حکم
اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پٹائے جاتے واسلے ہو۔ کہو تم نے کبھی
غور کیا کہ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے روز قیامت تک رات طاری کر
دے تو اس کے سوا کونسا دوسرا اللہ ہے جو تمہیں روشنی لادے گا؟ کیا
تم سنتے نہیں ہو؟ کہو تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ اگر تمہارے اوپر ہمیشہ کے
لیے دن طاری کر دے تو اس کے سوا اور کونسا اللہ ہے جو تمہیں رات
لادے گا کہ اس میں تم سکون حاصل کرو؟ کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمَا
مِنْ شَرِّهِ وَمَالَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ
عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ - (السبا - ۲۲-۲۳)

کہو کہ اللہ کے سوا تم نے جن کو کچھ سمجھ رکھا ہے انہیں پکار دیجو۔ وہ
نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ زمین میں، نہ آسمان و
زمین کے انتظام میں ان کی کوئی شرکت ہے، نہ ان میں سے کوئی اللہ
کا مددگار ہے، اور نہ اللہ کے ہاں کوئی سفارش کام آتی ہے بجز اس
کے جس کے حق میں اللہ خود ہی سفارش کی اجازت دے۔

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى
النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى..... خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ

وَاحِدَةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زُجَجًا وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ
الْأَنْعَامِ ثَمَنِيَّةً أَزْوَاجًا، يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ
أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثِ
ذَلِكُمْ اللَّهُ مَرْبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ الْوَالِدُ الْوَهَّابُ الْوَاقِعُ الْوَسْوَاسُ الْخَفِيُّ
اَلَّذِي تَصْرَفُونَ۔

اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ رات
کو دن پر اور دن کو رات پر چڑھا کر لاتا ہے، اس نے سورج اور چاند
کو تابع کر رکھا ہے اور ہر ایک اپنی مدت مقررہ تک چل رہا ہے۔۔۔۔
... اس نے ایک نفس سے تمہاری پیدائش کی ابتدا کی (یعنی انسانی زندگی
کا آغاز کیا) پھر اسی نفس سے اس کا بوڑھا بنایا اور تمہارے لیے موشیوں
کے آٹھ بوڑھے اتارے۔ وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں اسی طرح
پیدا کرتا ہے کہ تین پردوں کے اندر تمہاری تخلیق کے یکے بعد دیگرے
کئی مدارج طے ہوتے ہیں۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اقتدار حکومت
اسی کا ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ پھر تم کدھر پھیرے جا رہے ہو؟

(الزمر - ۵ - ۶)

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ
السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ
لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا، أَلَيْسَ اللَّهُ بِذِي قُوَّةٍ
يَعْدِلُونَ، أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا
أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِي وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ
حَاجِزًا، أَلَيْسَ اللَّهُ بِذِي قُوَّةٍ لَا يَعْلَمُونَ
أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَ

يَجْعَلْكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ، وَإِلَهُ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا
تَذَكَّرُونَ۔ آمَنَ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ وَالْبَحْرِ
وَمَنْ يُرْسِلِ الرِّيَّاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ
وَإِلَهُ مَعَ اللَّهِ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ آمَنَ
بِئْدَادِ الْخَلْقِ ثُمَّ يُعِيدُهُمْ وَمَنْ يَرِزُكُمْ مِّنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَإِلَهُ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَوَابَرَهَا كُمْ
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ (النمل۔ ۶۰۔ ۶۲)

کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے
آسمان سے پانی برسایا پھر وہ خوش منظر باغ اگائے۔ جن کے درخت
اگانا تمہارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور اللہ ان کا ملا
میں شریک ہے؟ مگر یہ لوگ حقیقت سے منہ موڑتے ہیں۔ پھر وہ کون
ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں دریا جاری کیے
اور اس کے لیے پہاڑوں کو لنگر بنایا اور دو سمندروں کے درمیان
پردہ حائل کیا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور اللہ ان کاموں میں شریک
ہے؟ مگر اکثر مشرکین بے علم ہیں۔ پھر وہ کون ہے جو اضطراب کی حالت
میں آدمی کی دعا سنتا ہے اور تکلیف دور کرتا ہے؟ اور وہ کون
ہے جو تم کو زمین میں خلیفہ بناتا ہے؟ تصرف کے اختیار است دیتا
ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور اللہ ان کاموں میں بھی شریک
ہے؟ مگر تم کم ہی دھیان کرتے ہو۔ پھر وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور
تری کے اندھیاروں میں راستہ دکھاتا ہے اور اپنی رحمت یعنی
بارش سے پہلے خوشخبری لانے والی ہوائیں بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے
سوا کوئی اور اللہ ان کاموں میں بھی شریک ہے؟ اللہ بالاتر ہے
ان کے اس شرک سے ہو یہ کہتے ہیں۔ پھر وہ کون ہے جو تخلیق

کی ابتدا کرتا اور اس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور اللہ ان کاموں میں بھی شریک ہے؟ کہو اگر تم اپنے شرک میں سچے ہو تو اس پر دلیل لاؤ۔

أَتَدْعِي لَهُ مُلْكَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرًا تَقْدِيْرًا ۚ وَاتَّخَذُ ذٰلِمْهُنَّ دُوْنَهُ اِلٰهَةً لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۚ وَلَا يَمْلِكُوْنَ رِءْیَ اَنْفُسِهِمْ ضَرًّا اَوْ نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّحَیٰوةً وَلَا نُشُوْرًا۔ (الفرقان ۲-۳)

وہ جو آسمانوں اور زمین کی حکومت کا مالک ہے۔ اور جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور اقتدار حکومت میں جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز کے لیے پورا پورا اندازہ مقرر کیا۔ لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے اللہ بنا لیے ہیں جو کسی کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، جو خود اپنی ذات کے لیے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور جن کو موت اور زندگی اور دوبارہ پیدائش پر کسی قسم کا اقتدار حاصل نہیں ہے۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنۢیَّ یَكُوْنُ لَهُ وَلَدًا وَلَمْ

سہ یعنی اگر تم مانتے ہو کہ یہ سب کام اللہ ہی کے ہیں اور ان کاموں میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو آخر کس دلیل سے تم الہیت میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہو؟ جن کے پاس اقتدار نہیں اور زمین و آسمان میں جن کا کوئی خود مختار نہ کام نہیں وہ اللہ کیسے ہو گئے

تَكُنْ لَهُ صَاحِبَهُ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمٌ۔ ذَاكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ
كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ۔

(انعام - ۱۰۲-۱۰۳)

آسمان وزمین کو عدم سے وجود میں لانے والا۔ اس کا کوئی بیٹا
کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے۔ اس نے تو ہر چیز
کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب،
کوئی اس کے سوا اللہ نہیں ہے، ہر چیز کا خالق، لہذا تم اسی کی عبادت کرو
اور وہی ہر چیز کی حفاظت و خبر گیری کا کفیل ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا
يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ
وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ
الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا۔ (بقرہ - ۱۶۵)

بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو خدائی کا شریک
مماثل قرار دیتے ہیں اور اللہ کی طرح ان کو بھی محبوب رکھتے ہیں، حالانکہ
جو ایمان لانے والے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت
کرتے ہیں۔ کاش یہ ظالم اس حقیقت کو جسے نزول عذاب کے وقت
محسوس کریں گے۔ آج ہی محسوس کر لیتے کہ قوت ساری کی ساری اللہ
ہی کے پاس ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرُونَا
مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ...
... وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَن لَّا
يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (احقاف - ۲-۵)

کہو تم نے اپنے معبودوں کی حالت پر کبھی غور بھی کیا جنہیں تم خدا کے بجائے حاجت روائی کے لیے پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ تو وہی کہ زمین کا کتنا حصہ ان کا بنایا ہوا ہے، یا آسمان کی پیدائش میں ان کی کس قدر شرکت ہے؟ اس سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ، لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ۔ (انبیاء - ۲۲-۲۳)

اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور بھی الہ ہوتے تو نظام عالم درہم برہم ہو جاتا پس اللہ جو عرش ربیعنی کائنات کے تحت سلطنت کا مالک ہے اُن تمام باتوں سے پاک ہے جو یہ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وہ اپنے کسی فعل کے لیے جواب دہ نہیں ہے اور سب جواب دہ ہیں۔

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذْ أَذْهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔ (المومنون - ۹۱)

اللہ نے نہ کوئی بیٹا بنایا اور نہ اُس کے ساتھ کوئی دوسرا الہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر الہ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کو لے کر الگ ہو جاتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔

قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذْ الْأَبْتَوَاءُ

یعنی اس کی درخواست کے جواب میں کوئی کاروائی نہیں کر سکتا۔

إِلَى ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا، مَبْحَثُهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ
عُلُوًّا كَبِيرًا۔ (بنی اسرائیل - ۷۲ - ۷۳)

اسے نبی کہو کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے الہ ہوتے جیسا کہ
لوگوں کا بیان ہے، تو وہ مالک عرش کی حکومت پر قبضہ کرنے کے
لیے ضرورتاً تیریں تلاش کرتے۔ پاک ہے وہ اور بہت بالاتر
ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

ان آیات میں اول سے آخر تک ایک ہی مرکزی خیال پایا جاتا ہے۔
اور وہ یہ ہے کہ الہیت و اقتدار لازم و ملزوم ہیں اور اپنی روح و معنی کے
اعتبار سے دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ جو اقتدار نہیں رکھتا وہ الہ نہیں ہو سکتا
اور اسے الہ نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ سے تمہاری جس قدر ضروریات متعلق ہیں
یا جن ضروریات کی خاطر تمہیں کسی کو الہ ماننے کی حاجت پیش آتی ہے، ان
میں سے کوئی ضرورت بھی اقتدار کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ لہذا غیر مقتدر
کا الہ ہونا بے معنی ہے، حقیقت کے خلاف ہے، اور اس کی طرف
رجوع کرنا لامحالہ حاصل ہے۔

اس مرکزی خیال کو لے کر قرآن جس طریقہ سے استدلال کرتا ہے اس کے
مقدمات اور نتائج حسب ذیل ترتیب کے ساتھ اچھی طرح سمجھ میں آسکتے
ہیں:-

۱۔ حاجت روائی، مشکل کشائی، پناہ دہندگی، امداد و اعانت، خبر گیری و
حفاظت اور استجابیت و دعوات، جن کو تم نے معمولی کام سمجھ رکھا ہے، دراصل
یہ معمولی کام نہیں ہیں بلکہ ان کا سررشتہ پورے نظام کائنات کی تخلیقی اور انتظامی
قوتوں سے جا ملتا ہے۔ تمہاری ذرا ذرا سی ضرورتیں جس طرح پوری ہوتی ہیں
اس پر غور کرو تو معلوم ہو کہ زمین و آسمان کے عظیم الشان کارخانہ میں بے شمار
اسباب کی مجموعی حرکت کے بغیر ان کا پورا ہونا محال ہے۔ پانی کا ایک گلاس

جو تم پیتے ہو اور گیہوں کا ایک دانہ جو تم کھاتے ہو اس کو چٹا کرنے کے لیے سورج اور زمین اور ہواؤں اور سمندروں کو خدا جانے کتنا کام کرنا پڑتا ہے تب کہیں یہ چیزیں تم کو بہم پہنچتی ہیں۔ پس تمہاری دعائیں سننے اور تمہاری حاجتیں رفع کرنے کے لیے کوئی معمولی اقتدار نہیں بلکہ وہ اقتدار درکار ہے جو زمین و آسمان پیدا کرنے کے لیے، ستاروں کو حرکت دینے کے لیے ہواؤں کو گردش دینے اور بارش برسانے کے لیے، غرض پوری کائنات کا انتظام کرنے کے لیے درکار ہے۔

۲۔ یہ اقتدار ناقابل تقسیم ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ خلق کا اقتدار کسی کے پاس ہو، اور رزق کا کسی اور کے پاس۔ سورج کسی کے قبضہ میں ہو اور زمین کسی اور کے قبضہ میں پیدا کرنا کسی کے اختیار میں ہو، بیماری و صحت کسی اور کے اختیار میں، اور موت اور زندگی کسی تیسرے کے اختیار میں، اگر ایسا ہوتا تو یہ نظام کائنات کبھی چل ہی نہ سکتا۔ لہذا تمام اقتدار است و اختیارات کا ایک ہی مرکزی فرمانروا کے قبضہ میں ہونا ضروری ہے۔ کائنات کا انتظام چاہتا ہے کہ ایسا ہو، اور فی الواقع ایسا ہی ہے۔

۳۔ جب تمام اقتدار ایک ہی فرماں روا کے ہاتھ میں ہے اور اقتدار میں کسی کا ذرہ برابر کوئی حصہ نہیں ہے، تو لامحالہ الوہیت بھی بالکل یہی فرمانروا کے لیے خاص ہے اور اس میں بھی کوئی حصہ دار نہیں ہے۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ تمہاری فریاد رسی کر سکے، دعائیں قبول کر سکے، پناہ دے سکے، حاجی و ناصر اور ولی و کار ساز بن سکے، نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ لہذا اللہ کا جو مفہوم بھی تمہارے ذہن میں ہے اس کے لحاظ سے کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ کوئی اس معنی میں بھی اللہ نہیں کہ فرمانروائے کائنات کے ہاں مقرب بارگاہ ہونے کی حیثیت ہی سے اس کا کچھ

زور چلتا ہو اور اس کی سفارش مانی جاتی ہو۔ اس کے انتظام سلطنت میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ کوئی اس کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا۔ اور سفارش قبول کرنا یا نہ کرنا بالکل اسی کے اختیار میں ہے۔ کوئی زور کسی کے پاس نہیں ہے کہ اس کے بل پر وہ اپنی سفارش قبول کر سکے۔

۴۔ اقتدارِ اعلیٰ کی وحدانیت کا اقتضایہ ہے کہ حاکمیت و فرمانروائی کی جتنی قسمیں ہیں سب ایک ہی مقتدرِ اعلیٰ کی ذات میں مرکوز ہوں اور حاکمیت کا کوئی جز بھی کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو۔ جب خالق وہ ہے اور خلق میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب رزاق وہ ہے اور رزق سنانی میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب پورے نظام کائنات کا مدبّر و منتظم وہ ہے اور تدبیر و انتظام میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، تو یقیناً حاکم و آمر اور شارع بھی اسی کو ہونا چاہیے اور اقتدار کی اس شوق میں بھی کسی کے شریک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ جس طرح اس کی سلطنت کے دائرے میں اس کے سوا کسی دوسرے کا فریاد رس اور حاجت روا اور پناہ دہندہ ہونا غلط ہے، اسی طرح کسی دوسرے کا مستقل بالذات حاکم اور خود مختار فرماں روا اور آزاد قانون ساز ہونا بھی غلط ہے۔ تخلیق اور رزق رسانی، احیاء اور اماتت، تسخیر شمس و قمر اور تکویر لیل و نہار، قضا اور قدر، حکم اور پادشاہی، امر اور تشریع سب ایک ہی کلی اقتدار و حاکمیت کے مختلف پہلو ہیں اور یہ اقتدار و حاکمیت ناقابل تقسیم ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کی سند کے بغیر کسی کے حکم کو واجب الاطاعت سمجھتا ہے تو وہ ویسا ہی شرک کرتا ہے جیسا کہ ایک غیر اللہ سے دُعا مانگنے والا شرک کرتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص سیاسی معنی میں مالک الملک اور مقتدرِ اعلیٰ اور حاکم علی الاطلاق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ بالکل اسی

طرح خدائی کا دعویٰ ہے جس طرح فوق الطبعی معنی میں کسی کا یہ کہنا کہ تمہارا ولی و کار ساز اور مددگار و محافظ میں ہوں۔ اسی لیے جہاں خلق اور تقدیر اشیاء اور تدبیر کائنات میں اللہ کے لاشریک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہیں لے الْحُكْمُ اور لے الْمُلْكُ اور لَمْ يَكُنْ لَهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ بھی کہا گیا ہے جو اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ الوہیت کے مفہوم میں پادشاہی و حکمرانی کا مفہوم بھی شامل ہے اور توحید اللہ کے لیے لازم ہے کہ اس مفہوم کے اعتبار سے بھی اللہ کے ساتھ کسی کی شرکت نہ تسلیم کی جائے اس کو اور زیادہ کھول کر حسب ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے :-

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ
وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ
مَنْ تَشَاءُ (آل عمران - ۲۶)

کہو یا اللہ تو جو ملک کا مالک ہے، تجھے اختیار ہے جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ، لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ تَابُ
الْعَرْشِ الْكَرِيمِ (المومنون - ۱۱۴)

پس بالا و برتر ہے اللہ جو حقیقی پادشاہ ہے اس کے سوا کوئی الہ

نہیں وہ عرش بزرگ کا مالک ہے۔

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، مَلِكِ النَّاسِ، إِلَهِ النَّاسِ

(الناس - ۱ - ۳)

کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب سے، انسانوں کے

پادشاہ سے، انسانوں کے الہ سے۔

اور اس سے زیادہ تصریح سورۃ المؤمن میں ہے جہاں فرمایا۔

يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ

الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (المؤمن - ۱۶)

یعنی جس روز سب لوگ بے نقاب ہوں گے، کسی کا کوئی راز

اللہ سے چھپا نہ ہوگا، اس وقت پکارا جائے گا کہ آج بادشاہی کس کی

ہے؟ اور جواب اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ اس اکیلے اللہ کی جس کا

اقتدار سب پر غالب ہے۔

اس آیت کی بہترین تفسیر وہ حدیث ہے جو امام احمد نے حضرت عبداللہ

بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

إِنَّمَا تَعَالَىٰ يَطْوِي السَّمُودَاتِ وَالْأَرْضَ بِيَدِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ

أَنَا الْجَبَّارُ أَنَا الْمُتَكَبِّرُ أَيُّنَ مُلُوكِ الْأَرْضِ؟ أَيُّنَ الْجَبَّارُونَ؟

أَيُّنَ الْمُتَكَبِّرُونَ؟ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو اپنی مٹھی میں سے لے کر

پکارے گا میں ہوں پادشاہ، میں ہوں جبار، میں ہوں متکبر، کہاں ہیں وہ جو

زمین میں پادشاہ بنتے تھے؟ کہاں ہیں جبار؟ کہاں ہیں متکبر، عبداللہ بن عمرؓ

فرماتے ہیں کہ جس وقت حضور خطبہ میں یہ الفاظ فرما رہے تھے اس وقت

آپ پر ایسا لرزہ طاری تھا کہ ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں آپ ممبر سے گر نہ پڑیں۔

رَبّ

لغوی تحقیق:

- اس لفظ کا مادہ ت ر ب ہے جس کا ابتدائی و اساسی مفہوم پرورش ہے۔ پھر اسی سے تصرف، خبر گیری، اصلاح حال اور اتمام و تکمیل کا مفہوم پیدا ہوا۔ پھر اسی بنیاد پر فوقیت، سیادت، مالکیت اور آقائی کے مفہومات اس میں پیدا ہو گئے۔ لغت میں اس کے استعمالات کی چند مثالیں یہ ہیں:-
- ۱۔ پرورش کرنا، نشوونما دینا، بڑھانا۔ مثلاً ربیب اور ربیبہ پروردہ لڑکے اور لڑکی کو کہتے ہیں۔ نیز اس بچے کو بھی ربیب کہتے ہیں جو سوتیلے باپ کے گھر پرورش پائے۔ پالنے والی دائی کو بھی ربیبہ کہتے ہیں۔ رابہ سوتیلی ماں کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ ماں تو نہیں ہوتی مگر بچے کو پرورش کرتی ہے۔ اسی مناسبت سے رات سوتیلے باپ کو کہتے ہیں۔ مرتب یا مرتبی اسی دو کو کہتے ہیں جو محفوظ کر کے رکھی جائے۔ رت۔ رت۔ رت۔ رت کے معنی اضافہ کرنے بڑھانے اور تکمیل کو پہنچانے کے ہیں۔ جیسے رت التَّعْمِیَّةُ، یعنی احسان میں اضافہ کیا یا احسان کی حد کر دی۔
 - ۲۔ سمیٹنا، جمع کرنا، فراہم کرنا۔ مثلاً کہیں گے فُلَانٌ یُرِثُ النَّاسَ یعنی فلاں شخص لوگوں کو جمع کرتا ہے، یا سب لوگ اس شخص پر مجتمع ہوتے ہیں۔ جمع ہونے کی جگہ کو مرث کہیں گے۔ سمیٹنے اور فراہم ہو جانے کو تَوَثُّبٌ

کہیں گے۔

۳۔ خبرگیری کرنا، اصلاح حال کرنا، دیکھ بھال اور کفالت کرنا۔ مثلاً رَبِّتْ صَبِغْتَهُ کے معنی ہوں گے فلاں شخص نے اپنی جائداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کی۔ ابوسفیان سے صفوان نے کہا تَهَارَانُ يَرْبِيْنِي رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّنْ أَنْ يَرْبِيْنِي رَجُلٌ مِّنْ هَوَازِنٍ یعنی قریش میں سے کوئی شخص مجھے اپنی ربوبیت (سرپرستی) میں لے لے یہ مجھے زیادہ پسند ہے یہ نسبت اس کے کہ ہوازن کا کوئی آدمی ایسا کرے۔

علقہ بن عبیدہ کا شعر ہے:-

وَكُنْتُ امْرَأًا فَضَلْتُ إِلَيْكَ رَبَّائِي وَقَبْلَكَ رَبِّيْنِي فَصَنَعْتُ رُبُوْبِي
یعنی تجھ سے پہلے جو رئیس میرے مرتی تھے انہیں میں نے کھودیا، آخر کار اب میری کفالت و ربابت تیرے ہاتھ آئی ہے۔ فرزوق کہتا ہے:-
كَانُوا كَسَايِلَ حَمَقَاءٍ إِذْ حَقَنْتُ سَلَامَهَا فِي أَدِيمِ غَيْرِ مَرْبُوبٍ
اس شعر میں اَدِيمِ غَيْرِ مَرْبُوب سے مراد وہ چمڑا ہے جو کمایا نہ گیا ہو، جسے وباغت دے کر درست نہ کیا گیا ہو۔ فلاں یارب صنعتہ عند فلاں کے معنی ہوں گے فلاں شخص فلاں کے پاس اپنے پیشہ کا کام کرتا ہے یا اس سے کاریگری کی تربیت حاصل کرتا ہے۔

۴۔ فوقیت، بالادستی، سرداری، حکم چلانا، تصرف کرنا۔ مثلاً قَدَرْتُ فَلَانَ قَوْمَهُ۔ یعنی فلاں شخص نے اپنی قوم کو اپنا تابع کر لیا۔ راجیت القوم یعنی میں نے قوم پر حکم چلایا اور بالادست ہو گیا۔ لبید بن ربیعہ کہتا ہے:-
وَأَهْلَكَن يَوْمًا ذَبَّ كُنْدًا وَأَبْنَاهُ وَذَبَّ مَعْدًا بَيْنَ خَبْتٍ وَخُرْعَرٍ
یہاں رب کندہ سے مراد کندہ کا سردار ہے جس کا حکم اس قبیلہ میں چلتا

تھا۔ اس معنی میں نابغہ ذبیانی کا شعر ہے:-

تَخَبْتُ إِلَى النُّعْمَانِ حَتَّى تَنَالَهُ فِدَايَ لَكَ مِنْ رَبِّ تَلِيدِي وَطَارِدِي

۵۔ مالک ہونا، مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اُرَبُّ غَنَمٍ اَمْ رِبُّ اِبِلٍ؟ تو بکریوں کا مالک ہے یا اونٹنوں کا؟ اس معنی میں گھر کے مالک کو رِبُّ الدَّارِ اور نشی کے مالک کو رِبُّ النِّسَاءِ جائداد کے مالک کو رِبُّ الضَّيْعَةِ کہتے ہیں۔ آقا کے معنی میں بھی رب کا لفظ آتا ہے اور عبد یعنی غلام کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔

غلطی سے رب کے لفظ کو محض پروردگار کے مفہوم تک محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے اور ربوبیت کی تعریف میں یہ فقرہ چل پڑا ہے کہ هُوَ اَنْشَأَ الشَّيْءَ حَالًا فَحَالًا اِلٰى حَيْثُ اَتَمَّامٍ یعنی ایک چیز کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر پایہ کمال کو پہنچاتا۔ حالانکہ یہ اس لفظ کے وسیع معانی میں سے صرف ایک معنی ہے۔ اس کی پوری وسعتوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ حسب ذیل مفہومات پر حاوی ہے :-

۱۔ پرورش کرنے والا، ضروریات بہم پہنچانے والا۔ تربیت اور نشوونما دینے والا۔

۲۔ کفیل، خبرگیراں، دیکھ بھال اور اصلاح حال کا ذمہ دار۔

۳۔ وہ جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو، جس میں متفرق اشخاص مجتمع ہوتے ہوں۔

۴۔ سید مطاع، سردار ذی اقتدار، جس کا حکم چلے، جس کی فوقیت و بالادستی تسلیم کی جائے، جس کو تصرف کے اختیارات ہوں۔

۵۔ مالک، آقا۔

قرآن میں لفظ رب کے استعمالات:

قرآن مجید میں یہ لفظ ان سب معانی میں آیا ہے کہیں ان میں سے کوئی ایک یا دو معنی مراد ہیں، کہیں اس سے زائد اور کہیں پانچوں معنی۔ اس بات کو ہم آیات قرآنی سے مختلف مثالیں دے کر واضح کریں گے۔

پہلے معنی میں :-

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ (یوسف ۲۳)

اس نے کہا کہ پناہ بخدا! وہ تو میرا رب ہے جس نے مجھے اچھی

طرح رکھا۔

دوسرے معنی میں جس کے ساتھ پہلے معنی کا تصور بھی کم و بیش شامل ہے :-

فَإِنَّهُمْ عَدَاؤُنِي وَالْأَرْبَابُ الْعَالَمِينَ الَّذِي خَلَقَنِي

فَهُوَ إِلَهِي، وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِي

وَإِذَا أَمَرْتُ نَفْسِي فَهُوَ يَسْمَعُ (الشعراء ۷۷-۷۸-۷۹)

تمہارے یہ معبود تو میرے دشمن ہیں، بجز رب کائنات کے

جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جو میری رہنمائی کرتا ہے، جو مجھے کھلاتا

ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ مِّنْ رَبِّي تَذَكَّرُونَ (النمل ۵۲-۵۳)

اگر تم کوئی نعمت یاد آتی ہے تو اس کی طرف تم گھبرا کر رہو

اور اگر تم کوئی مصیبت آتی ہے تو اسی کی طرف تم گھبرا کر رہو

تو یہیں جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی سے حاصل ہوئی ہے،

پھر جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اسی کی طرف تم گھبرا کر رہو

کرتے ہو مگر جب وہ تم پر سے مصیبت ٹال دیتا ہے تو کچھ لوگ تم

میں ایسے ہیں جو اپنے رب کے ساتھ اس نعمت کی بخشش اور

اے کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حضرت یوسفؑ کو اپنے رب فرما رہے ہیں، جیسا کہ بعض

مفسرین کو شبہ ہوا ہے، بلکہ دراصل ”وہ“ کا اشارہ خدا کی طرف ہے جس کی پناہ انہوں نے

مانگی ہے۔ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّيْ حَسْبُ مَشَارِئِهِ قَرِيبٌ هِيَ مذکور ہے تو کوئی غیر مذکور

مشارِئہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت؟

اس مشکل کشائی میں، دوسروں کو شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔
قُلْ اَحْيَا لِلّٰهِ اَبْنٰی رَبِّنَا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ۔

(انعام - ۱۶۵)

کہو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں۔ حالانکہ ہر چیز کا رب وہی ہے۔

**رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ
 وَكِيلًا۔ (الزلزلہ - ۹)**

وہ مغرب و مشرق کا رب ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے۔
 لہذا اُسی کو اپنا وکیل (اپنے سارے معاملات کا کفیل و ذمہ دار)
 بنالے۔

تیسرے معنی میں :-

هُوَ رَبُّكُمْ وَالْاَيْتُ تَخْرُجُ مِنْهُ۔ (رُود - ۳۲)

وہ تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم پٹا کرے جائے جاؤ گے۔

ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُكُمْ۔ (الزمر - ۷)

پھر تمہارے رب کی طرف تمہاری واپسی ہے۔

قُلْ يٰجَمْعُ بَيْنَنَا رَبَّنَا۔ (سبا - ۲۶)

کہو کہ ہم دونوں فریقوں کو ہمارا رب جمع کرے گا۔

وَمَا مِنِّیْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طَائِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحِیْهِ

اِلَّا اُتِمُّ اَمْرًا لَّکُمْ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ

ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُعْشَرُوْنَ۔ (انعام - ۲۸)

زمین میں چلنے والا کوئی جاندار اور ہوا میں اُڑنے والا کوئی پرندہ

ایسا نہیں ہے جو تمہاری ہی طرح ایک امت نہ ہو۔ اور ہم نے اپنے دفتر

میں کسی کے اندراج سے کوتاہی نہیں کی ہے۔ پھر وہ سب اپنے رب کی

طرف سمیٹے جائیں گے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

يُسْلَوْنَ۔ (یس - ۵۱)

اور جو نہی کہ صور پھونکا جائے گا وہ سب اپنے ٹھکانوں سے اپنے

رب کی طرف نکل پڑیں گے۔

پوتے معنی میں جس کے ساتھ کم و بیش تیسرے معنی کا تصور بھی موجود ہے۔

اتَّخَذُوا أَحِبَّاءَهُم مِّن دُونِ آبَائِهِم

دُونِ اللَّهِ۔ (التوہ - ۳۱)

انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے علما اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا۔

وَلَا يَتَّخِذُ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ (آل عمران - ۶۴)

اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔

دونوں آیتوں میں ارباب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو قوموں اور گروہوں

نے مطلقاً اپنا رہنما و پیشوا مان لیا ہو۔ جن کے امر و نہی، ضابطہ و قانون اور تحلیل و

تحریم کو ہر ایک کسی سند کے تسلیم کیا جاتا ہو۔ جنہیں بجائے خود حکم دینے اور منع کرنے کا

حق دار سمجھا جاتا ہو۔

أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقُ رَبَّهُ خَمْرًا..... وَقَالَ لِلَّذِي

ظَنَّ أَنَّهُ نَارٌ مِّن مَّثُلِهَا إِذْ كُرِّيَ عِنْدَ رَبِّكَ فَاسْتَسْأَلَهُ

الشَّيْطَانُ ذَكَرَ رَبِّهِ۔ (یوسف - ۴۲)

یوسف (علیہ السلام) نے کہا کہ تم میں سے ایک تو اپنے رب کو شراب

پلائے گا..... اور ان دونوں میں سے جس کے متعلق یوسفؑ کا خیال

تھا کہ رہا ہو جائے گا اس سے یوسفؑ نے کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر

کرنا، مگر شیطان نے اسے بھلاؤ سے میں ڈال دیا اور اس کو اپنے رب

سے یوسفؑ کا ذکر کرنے کا خیال نہ رہا۔

فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ادْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَأَسْأَلُكَ
مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ
عَلِيمٌ۔ (یوسف - ۵۰)

جب پیغام لانے والا یوسفؑ کے پاس آیا تو یوسفؑ نے اس سے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ میرا رب تو ان کی چال سے باخبر ہے ہی۔

ان آیات میں حضرت یوسفؑ نے مصریوں سے خطاب کرتے ہوئے بار بار فرعون مصر کو ان کا رب قرار دیا ہے، اس لیے کہ جب وہ اس کی مرکزیت اور اس کا اقتدار اعلیٰ اور اس کو امر و نہی کا مالک تسلیم کرتے تھے، تو وہی ان کا رب تھا۔ برعکس اس کے خود حضرت یوسفؑ اپنا رب اللہ کو قرار دیتے ہیں، کیونکہ وہ فرعون کو نہیں، صرف اللہ کو مقتدر اعلیٰ اور صاحب امر و نہی مانتے تھے۔

پانچویں معنی میں :-

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّنْ
جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ۔ (قریش - ۳-۴)

لہذا انہیں اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے جس نے ان کی رزق رسانی کا انتظام کیا ہے اور انہیں بد امنی سے محفوظ رکھا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ۔ (صفت - ۱۸۰)

تیرا رب جو عزت و اقتدار کا مالک ہے ان تمام صفات عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ۔ (انبیاء - ۲۲)

اللہ جو عرش کا مالک ہے ان تمام صفات عیب سے پاک ہے جو

یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ

الْعَظِيْمِ - (المؤمنون - ۸۶)

پوچھو کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرش بزرگ کا مالک کون ہے؟
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۔

(القنقلت - ۵)

وہ جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان سب چیزوں کا
جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اور سب چیزوں کا جن پر سورج طلوع
ہوتا ہے۔

وَ اِنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرِی - (النجم - ۴۹)

اور یہ کہ شعریٰ کا مالک بھی وہی ہے۔

رُبوبیت کے باب میں گمراہ قوموں کے تخیلات:

ان شواہد سے لفظ رب کے معانی بالکل غیر مشتبہ طور پر معین ہو جاتے ہیں۔
اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ رُبوبیت کے متعلق گمراہ قوموں کے وہ کیا تخیلات تھے
جن کی تردید کرنے کے لیے قرآن آیا، اور کیا چیز ہے جس کی طرف قرآن بلاتا ہے۔
اس سلسلہ میں زیادہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن گمراہ قوموں کا ذکر قرآن نے
کیا ہے ان کو الگ الگ لے کر ان کے خیالات سے بحث کی جائے تاکہ بات
بالکل منقح ہو جائے۔

قوم نوح:

سب سے پہلی قوم جس کا ذکر قرآن کرتا ہے، حضرت نوح کی قوم ہے۔
قرآن کے بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی ہستی کے منکر نہ تھے۔
حضرت نوح کی دعوت کے جواب میں ان کا یہ قول خود قرآن نے نقل کیا ہے۔

مَا هَذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلٰیكُمْ

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً۔ (المؤمنون - ۲۴)

یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر تم جیسا ایک انسان۔ یہ دراصل تم پر اپنی
فضیلت جمانا چاہتا ہے۔ ورنہ اگر اللہ کوئی رسول بھیجنا چاہتا تو فرشتوں
کو بھیجتا۔

انہیں اللہ کے خالق ہونے اور پہلے اور دوسرے معنی میں اس کے رب
ہونے سے بھی انکار نہ تھا۔ چنانچہ حضرت نوح جب ان سے کہتے ہیں کہ هُوَ
رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ (ہود - ۳۴) اَسْتَغْفِرُ وَلَذِبَكُم اِنَّهُ كَانَ
عَفَّارًا (نوح - ۱۰) اَلَمْ تَرَ وَاصْخِيفَ خَلْقَ اللَّهِ سَبْعَ مَمْدُودٍ طِبَاقًا
وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا۔ وَاللَّهُ اَنْبَتَكُمْ
مِنْ اَرْضٍ نَبَاثَاتٍ (نوح - ۱۵-۱۶) تو ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ
اللہ ہمارا رب نہیں ہے، یا زمین و آسمان کو اور ہم کو اس نے پیدا نہیں کیا ہے،
یا زمین و آسمان کا یہ سارا انتظام وہ نہیں کر رہا ہے۔

پھر ان کو اس بات سے بھی انکار نہ تھا کہ اللہ ان کا اللہ ہے۔ اسی لیے
تو حضرت نوح نے اپنی دعوت ان کے سامنے ان الفاظ میں پیش کی کہ قَالَكُمْ
مِنْ اِلٰهِ غَيْرُكَ اَسْ کے سوا تمہارے لیے کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے (ورنہ
وہ اگر اللہ کے اللہ ہوتے سے منکر ہوتے تو دعوت کے الفاظ یہ ہوتے اَتَّخِذُوا
اللَّهَ اِلَهًا (اللہ کو اپنا اللہ بنا لو)

اب سوال یہ ہے کہ ان کے اور حضرت نوح کے درمیان نزاع کس بات
پر تھی؟ آیات قرآنی کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ بنائے نزاع دو باتیں تھیں۔

۱۔ وہ تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔

۲۔ اپنے رب سے معافی چاہو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

۳۔ دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کیسے ہفت آسمان تہ بہ تہ بنائے اور چاند کو ان

کے درمیان نور اور سورج کو چراغ بنایا اور تم کو بھی اسی طرح سے پیدا کیا۔

ایک یہ کہ حضرت نوح کی تعلیم یہ تھی کہ جو رب العلین ہے، جسے تم بھی مانتے ہو کہ تمہیں اور تمام کائنات کو اسی نے وجود بخشا ہے اور وہی تمہاری ضروریات کا کفیل ہے، دراصل وہی اکیلا تمہارا اللہ ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے۔ کوئی اور ہستی نہیں ہے جو تمہاری حاجتیں پوری کرنے والی، مشکلیں آسان کرنے والی، دعائیں سننے اور مدد کو پہنچنے والی ہو۔ لہذا تم اسی کے آگے سر نیاز جھکاؤ۔

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ.....
وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ۔ اُبَلِّغُكُمْ رِسَالَتِ
رَبِّي۔ (اعراف - ۵۹ - ۶۲)

اے برادران قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارے لیے کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے..... مگر میں رب العالمین کی طرف سے پیغامبر ہوں۔ تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔

برعکس اس کے وہ لوگ اس بات پر مصر تھے کہ رب العالمین تو اللہ ہی ہے مگر دوسرے بھی خدائی کے انتظام میں تھوڑا بہت دخل رکھتے ہیں، اور ان سے بھی ہماری حاجتیں وابستہ ہیں، لہذا اللہ کے ساتھ ہم دوسروں کو اللہ مانیں گے۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا۔ (نوح - ۲۳)

ان کے سرداروں اور پیشواؤں نے کہا کہ لوگو! اپنے الہوں کو نہ چھوڑو و د اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو نہ چھوڑو۔

دوسرے یہ کہ وہ لوگ صرف اس معنی میں اللہ کو رب مانتے تھے کہ وہ ان کا خالق، زمین و آسمان کا مالک اور کائنات کا مدبر اعلیٰ ہے۔ لیکن اس بات کے قائل نہ تھے کہ اخلاق، معاشرت، تمدن، سیاست اور تمام معاملات زندگی

میں بھی حاکمیت و اقتدارِ اعلیٰ اسی کا حق ہے، وہی رہنما، وہی قانون ساز، وہی صاحبِ امر و نہی بھی ہے اور اسی کی اطاعت بھی ہونی چاہیے۔ ان سب معاملہ میں انہوں نے اپنے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کو رب بنا رکھا تھا۔ برعکس اس کے حضرت نوح کا مطالبہ یہ تھا کہ ربوبیت کے ٹکڑے نہ کرو۔ تمام مفہومات کے اعتبار سے صرف اللہ ہی کو رب تسلیم کرو، اور اس کا نمایندہ ہونے کی حیثیت سے جو قوانین اور احکام میں تمہیں پہنچاتا ہوں ان کی پیروی کرو۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا نَصِيحَتِي -

(الشعراء: ۱۰۷-۱۰۸)

میں تمہارے لیے خدا کا معتبر رسول ہوں۔ لہذا اللہ سے ڈرو

اور میری اطاعت کرو۔

قوم عاد:

قوم نوح کے بعد قرآن عاد کا ذکر کرتا ہے۔ یہ قوم بھی اللہ کی ہستی سے منکر نہ تھی۔ اس کے اللہ ہونے سے بھی اس کو انکار نہ تھا۔ جس معنی میں حضرت نوح کی قوم اللہ کو رب تسلیم کرتی تھی اس معنی میں یہ قوم بھی اللہ کو رب مان رہی تھی۔ البتہ بنائے نزاع وہی دو امور تھے جو اوپر قوم نوح کے سلسلہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ چنانچہ قرآن کی حسب ذیل تصریحات اس پر صاف دلالت کرتی ہیں:-

وَاللّٰی عَادُ اَنْحَاھُمْ هُوَ ذَا، قَالَ یَقَوْمِ اَعْبُدُوا اللّٰهَ

مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ قَالُوْا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ

وَحَدَاہٗ وَنَدَّ رَمَا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا۔ (اعراف: ۶۵-۷۰)

عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا، اے

برادرانِ قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی اللہ نہیں

..... انہوں نے جواب دیا کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اکیلے

اللہ ہی کی عبادت کریں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت

ہمارے باپ دادا کے وقتوں سے ہوتی آرہی ہے۔

قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً. (نجم السجدہ - ۱۴)

انہوں نے کہا اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیج سکتا تھا۔

وَيَذَلِكْ عَادٌ جَعَلُوا آيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ

وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ۔ (نہود - ۵۹)

اور یہ عاد ہیں جنہوں نے اپنے رب کے احکام ماننے سے

انکار کیا اس کے رسولوں کی اطاعت قبول نہ کی، اور ہر جبار دشمن حق

کی پیروی اختیار کر لی۔

قوم ثمود:

اب ثمود کو لیجیے جو عاد کے بعد سب سے بڑی سرکش قوم تھی۔ اصولاً

اس کی گمراہی بھی اس قسم کی تھی جو قوم نوح اور قوم عاد کی بیان ہوئی ہے۔ ان

لوگوں کو اللہ کے وجود اور اس کے الہ اور رب ہونے سے انکار نہ تھا، اس

کی عبادت سے بھی انکار نہ تھا۔ بلکہ انکار اس بات سے تھا کہ اللہ ہی الہ واحد

ہے، صرف وہی عبادت کا مستحق ہے، اور ربوبیت اپنے تمام معانی کے

ساتھ اکیلے اللہ ہی کے لیے خاص ہے وہ اللہ کے سوا دوسروں کو بھی فریادیں

حاجت روا، اور مشکل کشا ماننے پر اصرار کرتے تھے۔ اور اپنی اخلاقی و تمدنی

زندگی میں اللہ کے بجائے اپنے سرداروں اور پیشواؤں کی اطاعت کرنے

اور ان سے اپنی زندگی کا قانون لینے پر مصر تھے۔ یہی چیز بالآخر ان کے ایک

فسادی قوم بن جانے اور مبتلائے عذاب ہونے کی موجب ہوئی۔ اس کی

توضیح حسب ذیل آیات سے ہوتی ہے:-

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ ضِعْفَةَ مِثْلِ

ضِعْفَةَ عَادٍ وَثَمُودَ إِذَا جَاءَتْهُمْ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ

أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا

لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلْنَا عَلَيْكَ فَاتًا بِمَا أُذْسِلْتُمْ
بِهِ كَافِرُونَ۔ (رحم السجدہ - ۱۳-۱۴)

اے محمد! اگر یہ لوگ تمہاری پیروی سے منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ عباد اور ثمود کو جو سزا ملی تھی ویسی ہی ایک ہولناک سزا سے میں تم کو ڈراتا ہوں۔ جب ان قوموں کے پاس ان کے پیغمبر آگے اور پیچھے سے آئے اور کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو انہوں نے کہا ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیجتا، لہذا تم جو کچھ لے کر آئے ہو اسے ہم نہیں مانتے۔

وَالِیُّ ثَمُودَ أَخَاهُ صَالِحًا۔ قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا
اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرِہُ..... قَالَوَاِیَّاصَالِحُ
قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا اَنتَھٰنَا اَنْ
نَعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا۔ (ہود - ۶۱-۶۲)

اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادران قوم! اللہ کی پرستش و بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی الہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ انہوں نے کہا صالح! اس سے پہلے تو ہماری بڑی امیدیں تم سے تھیں، کیا تم ہمیں ان کی عبادت سے روکتے ہو جن کی عبادت باپ دادا سے ہوتی چلی آ رہی ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ صَالِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ، اِنِّیْ لَکُمْ
رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاطِیْعُوْنَ..... وَلَا تُطِیْعُوْا
اَمْوَالَ الْمُسْرِفِیْنَ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا
یُصْلِحُوْنَ۔ (الشعراء - ۱۴۲-۱۵۲)

جب ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے ان سے کہا کہ کیا

تمہیں اپنے بچاؤ کی کوئی فکر نہیں؟ دیکھو میں تمہارے اللہ کا معتبر رسول ہوں لہذا اللہ کی ناراضی سے بچو اور میری اطاعت قبول کرو۔۔۔۔۔ اور ان حد سے گزرنے والوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

قوم ابراہیم و نمرود:

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی قوم کا نمبر آتا ہے۔ اس قوم کا معاملہ خاص طور پر اس لیے اہم ہے کہ اس کے بادشاہ نمرود کے متعلق یہ عام غلط فہمی ہے کہ وہ اللہ کا منکر اور خود خدا ہونے کا مدعی تھا۔ حالانکہ وہ اللہ کی ہستی کا قائل تھا، اس کے خالق و مدبر کا ثنات ہونے کا معتقد تھا، اور صرف تیسرے، چوتھے اور پانچویں معنی کے اعتبار سے اپنی ربوبیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ نیز یہ بھی عام غلط فہمی ہے کہ یہ قوم اللہ سے بالکل ناواقف تھی اور اس کے الہ اور رب ہونے کی سرے سے قائل ہی نہ تھی حالانکہ فی الواقع اس قوم کا معاملہ قوم نوح اور عاد اور ثمود سے کچھ بھی مختلف نہ تھا۔ وہ اللہ کے وجود کو بھی مانتی تھی، اس کا رب ہونا اور خالق ارض و سما اور مدبر کائنات ہونا بھی اسے معلوم تھا، اس کی عبادت سے بھی وہ منکر نہ تھی۔ البتہ اس کی گمراہی یہ تھی کہ ربوبیت بمعنی اول و دوم میں اجرام فلکی کو حصہ دار سمجھتی تھی۔ اور اس بناء پر اللہ کے ساتھ ان کو بھی معبود قرار دیتی تھی۔ اور ربوبیت بمعنی سوم و چہارم و پنجم کے اعتبار سے اس نے اپنے بادشاہ کو رب بنا رکھا تھا۔ قرآن کی تصریحات اس بارے میں اتنی واضح ہیں کہ تعجب ہوتا ہے کس طرح لوگ اصل معاملہ کو سمجھنے سے قاصر رہ گئے۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے آغاز ہوش کا وہ واقعہ لیجیے جس میں نبوت سے پہلے ان کی تلاش حق کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا

أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ، فَلَمَّا رَأَىٰ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ

هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَأِئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ
مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ، فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَازِغَةً قَالَ هَذَا
رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُقَوِّمُ رَأْيِي بِرَبِّي إِنَّهُ
لَشَرِكَوْنٌ، إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ (انعام۔ ۷۷۔ ۸۰)

جب اس پر راست طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا۔ کہنے لگا۔
یہ میرا رب ہے۔ مگر جب وہ تارا ڈوب گیا تو اس نے کہا ڈوبنے والوں
کو تو میں پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند چمکا ہوا دیکھا تو کہا، یہ میرا رب ہے
مگر وہ بھی غروب ہو گیا تو کہا، اگر میرے رب نے میری
رہنمائی نہ فرمائی تو یہ خطرہ ہے کہ کہیں میں بھی ان گمراہ لوگوں میں
شامل نہ ہو جاؤں۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔
یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی چھپ گیا تو وہ پکار اٹھا کہ اے
بلادران قوم ہو شرک تم کرتے ہو اس سے میرا کوئی تعلق نہیں میں نے
تو سب طرف سے مُنہ موڑ کر اپنا رخ اس کی طرف پھیر دیا جس نے
آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

خط کشیدہ فقروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس سوسائٹی میں حضرت
ابراہیم (علیہ السلام) نے آنکھ کھولی تھی اس میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے
والے کا تصور، اور اس ذات کے رب ہونے کا تصور، ان ستاروں کی ربوبیت
کے تصور سے الگ موجود تھا۔ اور آخر کیوں موجود ہوتا جبکہ یہ لوگ ان مسلمانوں
کی نسل سے تھے جو حضرت نوح (علیہ السلام) پر ایمان لائے تھے، اور ان کی
قریبی رشتہ دار ہمسایہ اقوام رعاد و ثمود میں پے درپے انبیاء علیہم السلام کے
ذریعہ سے دین اسلام کی تجدید بھی ہوتی چلی آرہی تھی رَجَاءُ تِلْكَ الْمُرْسَلِ مِنْ
بَيْنِ آبَائِهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ پس حضرت ابراہیم کو اللہ کے فاطر السلام

وَالْأَرْضُ خُضْرٌ اور رب ہونے کا تصور تو اپنے ماحول سے مل چکا تھا البتہ
 ہو سوالات ان کے دل میں کھٹکتے تھے وہ یہ تھے کہ نظام ربوبیت میں اللہ
 کے ساتھ چاند، سورج اور ستاروں کے شریک ہونے کا جو تخیل ان کی قوم
 میں پایا جاتا ہے، اور جس کی بنا پر یہ لوگ عبادت میں بھی اللہ کے ساتھ ان کو
 شریک ٹھہراتے ہیں، یہ کہاں تک مبنی بر حقیقت ہے۔ چنانچہ نبوت سے
 پہلے اسی کی جستجو انہوں نے کی اور طلوع و غروب کا انتظام ان کے لیے اس
 امر واقعی تک پہنچنے میں دلیل راہ بن گیا کہ فَاطِر السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے
 سوا کوئی رب نہیں ہے۔ اسی بنا پر چاند کو غروب ہوتے دیکھ کر وہ فرماتے ہیں
 کہ اگر میرے رب، یعنی اللہ نے میری رہنمائی نہ فرمائی تو خوف ہے کہ ہمیں میں
 بھی حقیقت تک رسائی پانے سے نہ رہ جاؤں، اور ان مظاہر سے دھوکا نہ
 کھا جاؤں جن سے میرے گرد و پیش لاکھوں انسان دھوکا کھا رہے ہیں۔
 پھر جب حضرت ابراہیمؑ نبوت کے منصب پر سرفراز ہوئے اور انہوں
 نے دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا تو جن الفاظ میں وہ اپنی دعوت پیش فرماتے
 تھے ان پر غور کرنے سے وہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جو ہم نے اوپر بیان
 کی ہے۔ فرماتے ہیں:-

لے یہاں اس امر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ حضرت ابراہیمؑ کے وطن اُس کے متعلق آثار
 قدیمہ کی کھدائیوں میں جو انکشافات ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں چند رہاں
 دیوتا کی پرستش ہوتی تھی جسے اُن کی زبان میں ”ننار“ کہا جاتا تھا۔ اور اس کے ہمسایہ
 علاقہ میں جس کا مرکز آرسہ تھا سورج دیوتا کی عبادت ہوتی تھی جس کا نام ان کی زبان
 میں شماس تھا۔ اس ملک کے فرماں روا خاندان کا بانی اُرمو تھا جو عرب میں جا کر نمرود
 ہو گیا اور اسی کے نام پر وہاں کے فرماں روا کا لقب ہی نمرود قرار پایا، جیسے نظام
 الملک کے جانشین نظام کہلاتے ہیں۔

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ
 أَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا۔ (انعام-۸۲)
 اور آخر میں ان سے کس طرح ڈر سکتا ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک
 ٹھہراتے ہو، جبکہ تم اللہ کے ساتھ ان کو شریک بناتے ہوئے نہیں دیتے
 جن کے الہیت و ربوبیت میں شریک ہونے پر اللہ نے تمہارے پاس
 کوئی سند نہیں بھیجی ہے۔

وَأَعِزِّزْ لَّكُمْ دِينَكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ۔ (مریم-۴۸)
 تم اللہ کے سوا اور جن جن سے دعائیں مانگتے ہو ان سے میں
 دست کش ہوتا ہوں۔

قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنَ اللّٰهِ
 فَطَرَهُنَّ.... قَالَ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا
 يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ۔ (انبیاء-۵۶-۵۷)

کہا تمہارا رب تو صرف آسمانوں اور زمین کا رب ہی ہے جس
 نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے.... کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا
 ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نفع و نقصان پہنچانے کا کچھ بھی اختیار
 نہیں رکھتے؟

اِذْ قَالَ لِاٰیٰتِہٖ وَقَوْمِہٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ اَنْفُکَا
 الْاِلٰہَ دُوْنَ اللّٰهِ تُشْرِکُوْنَ فَمَا ظَنُّکُمْ بِرَبِّ
 الْعٰلَمِیْنَ۔ (صافات-۸۵-۸۶)

جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا،
 یہ تم کن کی عبادت کر رہے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اپنے خود ساختہ الہوں کی
 بندگی کا ارادہ ہے؟ پھر رب العالمین کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟
 اِنَّا بُرَءُؤُا مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنَ اللّٰهِ کَفَرْنَا

بِكُمْ وَبَدَأَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ أَبَدًا حَتَّى
تُؤْمِنُوا بِاللهِ وَحْدَانًا۔ (الممتحنہ - ۴)

ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھی مسلمانوں نے اپنی قوم
کے لوگوں سے صاف کہہ دیا کہ ہمارا تم سے اور اللہ کے سوا جن
کی عبادت تم کرتے ہو ان سب سے کوئی تعلق نہیں، ہم تمہارے
طریقے کو ماننے سے انکار کر چکے ہیں اور تمہارے اور
درمیان ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت کی بنا پڑ گئی ہے جب تک
کہ تم اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔

حضرت ابراہیم کے ان تمام ارشادات کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا
ہے کہ ان کے مخاطب وہ لوگ نہ تھے جو اللہ سے بالکل ناواقف اور اس کے
رب العلمین اور معبود ہونے سے منکر یا خالی الذہن ہوتے۔ بلکہ وہ لوگ
تھے جو اللہ کے ساتھ ربوبیت (یعنی اول و دوم) اور الہیت میں دوسروں کو
شریک قرار دیتے تھے۔ اسی لیے تمام قرآن میں کسی ایک جگہ بھی حضرت
ابراہیمؑ کا کوئی ایسا قول موجود نہیں ہے جس میں انہوں نے اپنی قوم کو
اللہ کی ہستی اور اس کے الہ اور رب ہونے کا قائل کرنے کی کوشش کی ہوگی
بلکہ ہر جگہ وہ دعوت اس چیز دیتے ہیں کہ اللہ ہی رب اور الہ ہے۔
اب نمرود کے معاملہ کو لیجیے۔ اس سے حضرت ابراہیمؑ کی جو گفتگو ہوئی
اسے قرآن اس طرح نقل کرتا ہے:-

الْمُرَّ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ
إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ
فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ
الَّذِي كَفَرَ۔ (لقہ - ۲۵۸)

تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب

کے بارے میں بحث کی، اس بنا پر کہ اللہ نے اسے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے، تو اس نے کہا زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا، اچھا تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اب تو ذرا اُسے مغرب سے نکال لا۔ یہ سن کر وہ کافر مہیوت ہو کر رہ گیا۔

اس گفتگو سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جھگڑا اللہ کے ہونے یا نہ ہونے پر نہ تھا بلکہ اس بات پر تھا کہ ابراہیمؑ علیہ السلام ”رب“ کسے تسلیم کرتے ہیں۔ نہ خود اقول تو اُس قوم سے تعلق رکھتا تھا جو اللہ کی ہستی کو مانتی تھی۔ دوسرے جب تک کہ وہ بالکل ہی پاگل نہ ہو جاتا وہ ایسی صریح احمقانہ بات کہی نہ کہہ سکتا تھا کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج اور چاند کو گردش دینے والا وہ خود ہے۔ پس دراصل اس کا دعویٰ یہ نہ تھا کہ میں اللہ ہوں، یا رب السموات والارض ہوں، بلکہ اس کا دعویٰ صرف یہ تھا کہ میں اس کا ملکیت کا رب ہوں جس کی رعیت کا ایک فرد ابراہیمؑ ہے۔ اور یہ رب ہونے کا دعویٰ بھی اسے ربوبیت کے پہلے اور دوسرے مفہوم کے اعتبار سے نہ تھا، کیونکہ اس اعتبار تو وہ خود چاند اور سورج اور ستاروں کی ربوبیت کا قائل تھا۔ البتہ وہ تیسرے، چوتھے اور پانچویں مفہوم کے اعتبار سے اپنی ملکیت کا رب بنتا تھا یعنی اس کا دعویٰ یہ تھا کہ میں اس ملک کا مالک ہوں، اس کے سارے باشندے میرے بندے، میرا مرکزی اقتدار ان کے اجتماع کی بنیاد ہے، اور میرا فرمان اُن کے لیے قانون ہے۔ اِنَّ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَلْمُلْكُ کے الفاظ صریحاً اس بات کی طرف اشارہ کر رہے کہ اس دعوائے ربوبیت کی بنیاد بادشاہی کے زعم پر تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی رعیت میں سے ابراہیمؑ نامی ایک نوجوان اٹھ اٹھا ہے جو نہ چاند اور سورج اور ستاروں کی فوق الفطری ربوبیت کا قائل بادشاہ

وقت کی سیاسی و تمدنی ربوبیت تسلیم کرتا ہے، تو اس کو تعجب ہوا اور اس نے حضرت ابراہیمؑ کو بلا کر دریافت کیا کہ آخر تم کسے رب مانتے ہو؟ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جس کے قبضہ قدرت میں زندگی اور موت کے اختیارات ہیں۔ مگر اس جواب سے وہ بات کی تہ کو نہ پہنچ سکا اور یہ کہہ کر اس نے اپنی ربوبیت ثابت کر لی چاہی کہ زندگی اور موت کے اختیارات تو مجھے حاصل ہیں جسے چاہوں قتل کرادوں اور جس کی چاہوں جان بخشی کر دوں۔ تب حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے اسے بتایا کہ میں صرف اللہ کو رب مانتا ہوں، ربوبیت کے جملہ مفہومات کے اعتبار سے میرے نزدیک تنہا اللہ ہی رب ہے، اس نظام کائنات میں کسی دوسری ربوبیت کے لیے گنجائش ہی کہاں ہو سکتی ہے جبکہ سورج کے طلوع و غروب پر وہ ذرہ برابر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ نمرود آدمی ذی ہوش تھا۔ اس دلیل کو سن کر اس پر حقیقت کھل گئی کہ فی الواقع اللہ کی اس سلطنت میں اس کا دعوائے ربوبیت بھڑا یک زعم باطل کے اور کچھ نہیں ہے، اسی لیے وہ دم بخود ہو کر رہ گیا۔ مگر نفس پرستی اور شخصی و خاندانی اغراض کی بندگی ایسی دامگیر ہوئی کہ حق کے ظہور کے باوجود وہ خود مختار حکمرانی کے منصب سے اتر کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس گفتگو کو نقل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** (مگر اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا) یعنی اس ظہور حق کے بعد جو رویہ اسے اختیار کرنا چاہیے تھا اسے اختیار کرنے کے لیے جب وہ تیار نہ ہوا اور اس نے غاصبانہ فرماں روائی کر کے دنیا پر اور خود اپنے نفس پر ظلم کرنا ہی پسند کیا تو اللہ نے بھی اسے ہدایت کی روشنی عطا نہ کی، کیونکہ اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جو خود ہدایت کا طالب نہ ہو اس پر زبردستی اپنی ہدایت مسلط کر دے۔

قوم لوطؑ

قوم ابراہیمؑ کے بعد ہمارے سامنے وہ قوم آتی ہے جس کی اصلاح پر حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ

مامور کیے گئے تھے۔ اس قوم کے متعلق بھی قرآن سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ تو اللہ کے وجود کی منکر تھی نہ اس بات کی منکر تھی کہ اللہ خالق اور رب بمعنی اول و دوم ہے۔ البتہ اسے انکار اس سے تھا کہ اللہ ہی کو دوسرے پوختے اور پانچویں معنی میں بھی رب ماننے اور اس کے معتمد علیہ نمائندے کی حیثیت سے رسول کے اقتدار کو تسلیم کرے وہ چاہتی تھی کہ اپنی خواہش نفس کے مطابق ہو جس طرح چاہے کام کرے۔ یہی اس کا اصلی جرم تھا اور اسی بنا پر وہ عذاب میں مبتلا ہوئی۔ قرآن کی حسب ذیل تصریحات اس پر شاہد ہیں:-

اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ لُوطُ اَلَا تَتَّقُونَ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اٰمِنٌ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوْنَ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَنۡتَا تُكۡوِنُ الذِّكۡرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ وَتَذَرُؤُنَ مَا خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ بَیۡنِکُمۡ مِنْ اَزۡوَاجِکُمۡ لِاَنْتُمْ قَوۡمٌ عَادُوْنَ۔ (اشعار ۱۶۲-۱۶۳)

جب ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم تقویٰ نہ اختیار کرو گے؟ دیکھو میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ لہذا اللہ کے غضب سے بچو اور میری اطاعت کرو۔ اس کام پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو صرف رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا دنیا کے لوگوں میں سے تم لڑکوں کی طرف جاتے ہو اور تمہارے رب نے تمہارے لیے بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑ دیتے ہو؟ تم بڑے ہی حد

سے گزرتے والے لوگ ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ خطاب ایسے ہی لوگوں سے ہو سکتا تھا جو اللہ کے وجود اور اس کے خالق اور پروردگار ہونے کے منکر نہ ہوں۔ چنانچہ جواب میں وہ بھی یہ نہیں کہتے کہ اللہ کیا چیز ہے؟ یا وہ پیدا کرنے والا کون ہوتا ہے؟ یا وہ کہاں سے ہمارا رب ہو گیا؟ بلکہ کہتے یہ ہیں کہ:-

لَئِنْ لَّمْ تَكُنْ تِلْكَ فَلَئِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ دَلِيلٌ مِنَ الْمُبْرِحِينَ

(الشعراء - ۱۶۷)

اے لوط! اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ملک سے نکال

کر باہر کیے جاؤ گے۔

دوسری جگہ اس واقعہ کو یوں فرمایا گیا ہے:-

وَلَوْ طَارَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اَتَاكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ - اَتَاكُمْ لَتَأْتُونَ

الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيَكُمُ

الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ اِلَّا اَنْ قَالُوا ائْتِنَا

بِعَذَابِ اللَّهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (عنکبوت - ۲۸)

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب اس نے قوم سے کہا کہ تم لوگ وہ

فعل شنیع کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہ کیا تھا، کیا تم

مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو، راستوں پر ڈاکے مارتے ہو،

اور اپنی مجلسوں میں علانیہ ایک دوسرے کے سامنے بدکاریاں

کرتے ہو؟ تو اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ لے آؤ

ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو۔

کیا یہ جواب کسی منکر خدا قوم کا ہو سکتا تھا؟ پس معلوم ہوا کہ ان کا

اصلی جرم انکار الوہیت و ربوبیت نہ تھا، بلکہ یہ تھا کہ وہ فوق الفطری معنی

میں اللہ کو الہ اور رب مانتے تھے لیکن اپنے اخلاق، تمدن اور معاشرت میں اللہ کی اطاعت اور اس کے قانون کی پیروی کرنے سے انکار کرتے تھے اور اس کے رسول کی ہدایت پر چلنے کے لیے تیار نہ تھے۔

قوم شعیب:

اس کے بعد اہل مدین اور اصحاب الایکہ کو بھیجے جن میں حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے تھے۔ اس لیے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے وجود اور اس کے الہ اور رب ہونے کے قائل تھے یا نہ تھے۔ ان کی حیثیت دراصل ایک ایسی قوم کی تھی جس کی ابتدا اسلام سے ہوئی اور بعد میں وہ عقائد و اعمال کی خرابیوں میں مبتلا ہو کر بگڑتی چلی گئی۔ بلکہ قرآن سے تو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مومن ہونے کے بھی مدعی تھے چنانچہ بار بار حضرت شعیبؑ ان سے فرماتے ہیں کہ ”اگر تم مومن ہو“ تو تمہیں یہ کرنا چاہیے۔ حضرت شعیبؑ کی ساری تقریروں اور ان کے جوابات کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی قوم تھی جو اللہ کو مانتی تھی۔ اسے معبود اور پروردگار بھی تسلیم کرتی تھی، مگر دو طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ایک یہ کہ وہ فوق الفطری معنی میں اللہ کے سوا دوسروں کو بھی الہ اور رب سمجھنے لگی تھی، اس لیے اس کی عبادت صرف اللہ کے لیے مختص نہ رہی تھی۔ دوسرے یہ کہ اس کے نزدیک اللہ کی ربوبیت کو انسان کے اخلاق، معاشرت، معیشت اور تمدن و سیاست سے کوئی سروکار نہ تھا، اس بنا پر وہ کہتی تھی کہ اپنی تمدنی زندگی میں ہم مختار ہیں، اپنے معاملات کو جس طرح چاہیں چلائیں۔

قرآن کی حسب ذیل آیات ہمارے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں۔

وَالِی مَدِیْنَتَیْ اٰتٰھُمُ شُعَیْبًا قَالَ یَقَوْمِ احْبِلُوْا لِلّٰہِ

مَا لَكُمْ مِّنَ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَ تِلْكَ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ
فَآذِنُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَتَّبِعُوا النَّاسَ أَشْيَاءَ هُمْ
وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ
لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ
مِّنْكُمْ آمَنُوا بِآيَاتِنَا أَرْسَلْنَا بِهِ طَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا
فَاصْبِرُوا حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ
الْحَاكِمِينَ۔ (اعراف ۸۵-۸۷)

اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس
اس نے کہا اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو کہ اس کے سوا
تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے
پاس روشن ہدایت آچکی ہے۔ پس تم ناپ تول ٹھیک کرو، لوگوں کو
ان کی چیزوں میں گھاٹانہ دیا کرو، اور زمین میں فساد نہ کرو جبکہ اس
کی اصلاح کی جا چکی تھی۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے اگر تم مومن ہو۔
. . . اگر تم میں سے ایک گروہ اس ہدایت پر جس کے ساتھ میں
بھیجا گیا ہوں ایمان لاتا ہے اور دوسرا ایمان نہیں لاتا تو انتظار
کرو یہاں تک کہ اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی
بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَيَقُومُوا فِی الْمِيزَانِ وَالْمِيزَانُ بِالْقِسْطِ وَلَا
تَتَّبِعُوا النَّاسَ أَشْيَاءَ هُمْ وَلَا تَعْتَوْ فِی الْأَرْضِ
مُفْسِدِينَ، بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّكُمْ إِن کُنتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ،
وَمَا آتَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ۔ قَالُوْا شُعَیْبُ اَصْلُوْتُکَ تَأْمُرُکَ
اَنْ تَتْرُوْکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْ اَمْوَالِنَا مَا
نَشَآءُ اِنَّکَ لَا تُتِّ الْعَلِیْمُ الرَّشِیْدُ۔ (ہود - ۸۵-۸۷)

اسے برادران قوم پیمانے اور ترانہ و انصاف کے ساتھ
پورے پورے ناپو اور نولو، لوگوں کو ان چیزوں میں گھاٹا نہ دو، اور
زمین میں فساد نہ برپا کرتے پھرو۔ اللہ کی عنایت سے کاروبار میں جو
بچت ہو وہی تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم مومن ہو۔ اور میں تمہارے
اوپر کوئی نگہبان نہیں ہوں۔ انہوں نے جواب دیا اسے شعیب! کیا
تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن
کی عبادت ہمارے باپ دادا سے ہوتی چلی آ رہی ہے، پایہ کہ
ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا ترک دیں؟ تم
ہی تو ایک بردبار اور راست باز رہ گئے ہو!

آخری غلط کشیدہ الفاظ خصوصیت کے ساتھ اس بات کو واضح کر دیتے
ہیں کہ ربوبیت والو ہیت کے بارے میں ان کی اصل گمراہی کیا تھی۔
فرعون اور آل فرعون:

اب ہمیں فردن اور اس کی قوم کو دیکھنا چاہیے جس کے باب میں
نمود اور اس کی قوم سے بھی زیادہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ عام خیال یہ ہے
کہ فرعون نہ صرف خدا کی ہستی کا منکر تھا بلکہ خود خدا ہونے کا مدعی تھا۔ یعنی اس
کا دماغ اتنا خراب ہو گیا تھا کہ دنیا کے سامنے کھلم کھلا یہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں
خالق ارض و سما ہوں، اور اس کی قوم اتنی پاگل تھی کہ اس کے دعوے پر ایمان
لا تے تھے۔ حالانکہ قرآن اور تاریخ کی شہادت سے اصل حقیقت یہ معلوم ہوتی
ہے کہ الوہیت و ربوبیت کے باب میں اس کی گمراہی نمود کی گمراہی سے،
اور اس کی قوم کی گمراہی قوم نمود کی گمراہی سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ فرق
جو کچھ تھا وہ صرف اس بناء پر تھا کہ یہاں سیاسی اسباب سے بنی اسرائیل
کے ساتھ ایک قوم پرستانہ ضد اور متعصبانہ ہٹ دھرمی پیدا ہو گئی تھی اس
لیے محض عناد کی بنا پر اللہ کو اللہ اور رب ماننے سے انکار کیا جاتا تھا اگرچہ دونوں

میں اس کا اعتراف چھپا ہوا تھا۔ جیسا کہ آج کل بھی اکثر دہریوں کا حال ہے۔ اصل واقعات یہ ہیں کہ حضرت یوسفؑ کو جب مصریوں میں اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے اپنی پوری قوت اسلام کی تعلیم پھیلانے میں صرف کر دی۔ اور سرزمین مصر پر اتنا گہرا نقش مرتسم کیا کہ صدیوں تک کسی کے مٹانے نہ مل سکا۔ اُس وقت چاہے تمام اہل مصر نے دین حق قبول نہ کر لیا ہو۔ مگر یہ ناممکن تھا کہ مصر میں کوئی شخص اللہ سے ناواقف رہ گیا ہو اور یہ نہ جان گیا ہو کہ وہی خالق ارض و سما ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی تعلیم کا کم سے کم اتنا اثر ہر مصری پر ضرور ہو گیا تھا کہ وہ فوق الفطری معنوں میں اللہ کو الہ الالہ اور رب الارباب تسلیم کرتا تھا اور کوئی مصری اللہ کی آیت کا منکر نہ رہا تھا۔ البتہ جو ان میں کفر پر قائم رہ گئے تھے وہ اور میت و ربوبیت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے۔ یہ اثرات حضرت موسیٰ کی بعثت کے وقت تک باقی تھے۔ چنانچہ اس کا صریح ثبوت وہ تقریر ہے تو فرعون کے دربار میں ایک قبلی سردار نے کی تھی۔ جب

کہ اگر توراۃ کے تاریخی بیان پر اعتماد کیا جائے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مصر کی آبادی کا تقریباً پانچواں حصہ مسلمان ہو چکا تھا۔ توراۃ میں بنی اسرائیل کی جو مردم شماری درج کی گئی ہے اس کی رُو سے وہ لوگ جو حضرت موسیٰ کے ساتھ مصر سے نکلے تھے تقریباً ۲۰ لاکھ تھے۔ اور مصر کی آبادی اس زمانہ میں ایک کروڑ سے زیادہ نہ ہوگی۔ توراۃ میں ان سب لوگوں کو بنی اسرائیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ لیکن کسی حساب سے یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ حضرت یعقوبؑ کے ۱۲ بیٹوں کی اولاد ۵ سو سال کے اندر بڑھ کر ۲۰ لاکھ ہو گئی ہو۔ لہذا قیاس یہی چاہتا ہے کہ مصر کے لوگوں میں سے ایک بہت بڑی تعداد مسلمان ہو کر بنی اسرائیل میں شامل ہو گئی اور ہجرت کے موقع پر ان مصری مسلمانوں نے بھی اسرائیلی مسلمانوں کا ساتھ دیا ہوگا، اس سے اس تبلیغی کام کا اندازہ ہو سکتا ہے جو حضرت یوسفؑ اور ان کے خلفاء نے مصر میں کیا۔

فرعون نے حضرت موسیٰ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کے دربار کا یہ امیر جو مسلمان ہو چکا تھا مگر اپنا اسلام چھپائے تھا، بے قرار ہو کر بول اٹھا۔

اتَّقُوا رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ

بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ وَإِن يَكُ يَكُذِّبُ فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ۔

وَإِن يَكُ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ اللَّهَ

لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ، يَقُومُ لَكُمْ الْهَلْكُ الْيَوْمَ

ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِن بَأْسِ اللَّهِ إِن

جَاءَنَا؟..... يَقُومُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ

الْأَحْزَابِ مِثْلَ ذَا بَنِي قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ، وَالَّذِينَ

مِن بَعْدِهِمْ..... وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ

بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّى

إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنُتَّبِعَنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِهِ رُسُلًا

..... وَيَقُومُ مَالِي أَخُوكُمْ إِلَى التَّجْوِيفِ وَتَدْعُونَنِي

إِلَى النَّارِ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَاشْرِكُ بِهِ مَا

لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُم إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ۔

(المومن - ۲۸ - ۴۲)

کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا

رب اللہ ہے۔ حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے

سامنے کھلی کھلی نشانیاں لایا ہے! اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ

کا وبال اس پر ضرور پڑے گا۔ لیکن اگر وہ سچا ہے تو جس انجام سے وہ

تمہیں ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ تو تم پر نازل ہو سکے گا۔

یقین جانو کہ اللہ کسی حد سے بڑھ کر جو کچھ آدنی کو فلاح

کا راستہ نہیں دکھاتا۔ اسے بردہ راہ قوم! آج تمہارے ہاتھ میں

حکومت ہے، زمین میں تم غالب ہو، مگر کل اللہ کا عذاب ہم پر آ جائے تو کون ہماری مدد کرے گا؟..... اسے برادران قوم! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر وہ دن نہ آجائے جو بڑی بڑی قوموں پر آچکا ہے اور وہی انجام تمہارا نہ ہو جو قوم نوح اور عاد اور ثمود اور بعد کی قوموں کا ہوا..... اس سے پہلے یوسف علیہ السلام تمہارے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے تو تم اس چیز کے متعلق شک میں پڑے رہے جسے وہ لائے تھے۔ پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم نے کہا کہ اللہ ان کے بعد کوئی رسول نہ بھیجے گا..... اور اسے برادران قوم! یہ عجیب معاملہ ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو تم مجھے اس طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ ان کو شریک ٹھہراؤں جن کے شریک ہونے پر میرے پاس کوئی علمی ثبوت نہیں ہے، اور میں تمہیں اس کی طرف بلاتا ہوں جو سب سے زبردست ہے اور بخشنے والا ہے۔

یہ پوری تقریر اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظیم الشان شخصیت کا اثر کئی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس وقت تک باقی تھا اور اس جلیل القدر نبی کی تعلیم سے متاثر ہونے کے باعث یہ قوم جہالت کے اس مرتبے پر نہ تھی کہ اللہ کی ہستی سے بالکل ہی ناواقف ہوتی یا یہ نہ جانتی کہ اللہ رب اور الہ ہے اور قوائے فطرت پر اس کا غلبہ و قہر قائم ہے اور اس کا غضب کوئی ڈرنے کی چیز ہے۔ اس کے آخری فقرے سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم اللہ کی الوہیت اور ربوبیت کی قطعی منکر نہ تھی بلکہ کی گمراہی وہی تھی جو دوسری قوموں کی بیان ہو چکی ہے۔ یعنی ان دونوں حیثیتوں میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا۔

شبہ جس وجہ سے واقع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ فرعون حضرت موسیٰؑ

کی زبان سے اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (ہم رب العالمین کے رسول ہیں) سُن کر پوچھتا ہے وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (رب العالمین کیا چیز ہے؟)۔ اپنے وزیر ہامان سے کہتا ہے کہ میرے لیے ایک اونچی عمارت بنا کہ میں موسیٰ کے اللہ کو دیکھوں۔ حضرت موسیٰ کو دھکی دیتا ہے کہ میرے سوا کسی اور کو تم نے اللہ بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا۔ ملک بھر میں اعلان کرتا ہے کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ اپنے درباریوں سے کہتا ہے کہ میں اپنے سوا تمہارے کسی اللہ کو نہیں جانتا۔ اس قسم کے فقرات دیکھ کر لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید کہ وہ اللہ کی ہستی ہی کا منکر تھا، رب العالمین کے تصور سے بالکل خالی الذہن تھا اور اپنے آپ ہی کو واحد معبود سمجھتا تھا۔ مگر اصل واقعہ یہ ہے کہ اس کی یہ تمام باتیں قوم پرستانہ منہ کی وجہ سے تھیں۔ حضرت یوسف کے زمانہ میں صرف یہی نہیں ہوا تھا کہ آنجناب کی زبردست شخصیت کے اثر سے اسلام کی تعلیمات مصر میں پھیل گئی تھیں، بلکہ حکومت میں ہوا اقتدار ان کو حاصل ہوا تھا ان کی بدولت بنی اسرائیل مصر میں بہت با اثر ہو گئے تھے۔ تین چار سو سال تک یہ اسرائیلی اقتدار مصر پر چھایا رہا۔ پھر وہاں اسرائیلیوں کے خلافت قوم پرستانہ جذبات پیدا ہونے شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کے اقتدار کو الٹ پھینکا گیا اور ایک مصری قوم پرست خاندان فرماں روا ہو گیا۔ ان نئے فرماں رواؤں نے محض اسرائیلیوں کو دبانے اور کچلنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ دور یوسفی کے ایک ایک اثر کو مٹانے اور اپنے قدیم جاہلی مذہب کی روایات کو تازہ کرنے کی کوشش کی۔ اس حالت میں جب حضرت موسیٰ تشریف لائے تو ان لوگوں کو خطرہ ہوا کہ کہیں اقتدار پھر ہمارے ہاتھ سے نکل کر اسرائیلیوں کے ہاتھ میں نہ چلا جائے۔ یہی عناد اور ہٹ دھرمی کا جذبہ تھا جس کی بنا پر فرعون چند را چند را کہ حضرت موسیٰ سے پوچھتا تھا کہ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ میرے سوا اور اللہ کون ہو سکتا ہے؟ ورنہ دراصل وہ رب العالمین سے بے خبر نہ تھا۔ اس کی

اور اس کے اہل دربار کی جو گفتگوئیں اور حضرت موسیٰ کی جو تقریریں قرآن میں آئی ہیں، ان سب سے یہ حقیقت بین طور پر ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک موقع پر فرعون اپنی قوم کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ موسیٰ خدا کے پیغمبر نہیں ہیں، کہتا ہے:-

فَلَوْلَا لَقِيَ عَلَيْهِ اَسْوَدَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَاءَ
مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِبٰتِیْنَ۔ (الزخرف-۵۳)

تو کیوں نہ اس کے لیے سونے کے کنگن اتارے گئے؟

یا فرشتے صف بستہ ہو کر اس کے ساتھ کیوں نہ آئے؟

کیا یہ بات ایک ایسا شخص کہہ سکتا تھا جو اللہ اور ملائکہ کے تصور سے

خالی الذہن ہوتا؟ ایک اور موقع پر فرعون اور حضرت موسیٰ کے درمیان یہ گفتگو ہوتی ہے:-

..... فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَا اُظَنُّكَ یٰمُوسٰی

مَسْحُوْرًا قَالْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِصَآئِرٍ وَّاِنِّیْ لَا اُظَنُّكَ یَفِرْعَوْنُ

مَثْبُوْرًا۔ (بنی اسرائیل-۱۰۱-۱۰۲)

..... پس فرعون نے اس سے کہا کہ اسے موسیٰ میں تو سمجھتا

کہ تیری عقل ضبط ہو گئی ہے۔ موسیٰ نے جواب دیا تو خوب جانتا ہے کہ

یہ بصیرت افروز نشانیاں رب زمین و آسمان کے سوا کسی اور کی نازل

کی ہوئی نہیں ہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ اسے فرعون تیری شایستگی

مہنی آگئی ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرعونوں کی قلبی حالت اس طرح بیان فرماتا

ہے:-

فَلَمَّا جَاءَ تَہْمٌ اِیَّانَا مُبْصِرَةٌ قَالُوْا هٰذَا

سِحْرُ مُبِينٍ. وَجَعَدُوا بِهَا وَاسْتَبَقْنَهَا أَنْفُسَهُمْ
ظُلُمًا وَعُلُوًّا۔ (اضل۔ ۱۳-۱۲)

جب ہماری نشانیاں ان کے سامنے علانیہ نمایاں ہو گئیں تو انہوں
نے کہا کہ یہ صریح جادو ہے۔ ان کے دل اندر سے قائل ہو چکے تھے مگر
انہوں نے محض شرارت اور تکبر و سرکشی کی بنا پر ماننے سے انکار
کیا۔

ایک اور مجلس کا نقشہ قرآن یوں کھینچتا ہے:-

قَالَ لَهُمُ مُوسَى وَيَكْفُرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا
فَيُسْحِتْكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مِنَ الْفِتْنَى فِتْنَا ذَعُوْا
أَمْرَهُمْ بِئِنَّهُمْ وَأَسْرُوا وَالتَّجْوَى قَالُوا إِنْ هَذَا إِلَّا
لَسِحْرَانِ يُرِيدَانِ أَنْ يُخْرِجَاكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ
بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقِكُمُ الْمُثَلَّى۔ (ظہ۔ ۶۱-۶۳)
موسیٰ نے ان سے کہا تم پر افسوس ہے۔ اللہ پر جھوٹ افتراء نہ
باندھو ورنہ وہ سخت عذاب سے تمہیں تباہ کر دے گا۔ اور افتراء جس
نے بھی باندھا ہے وہ نامراد ہو کر ہی رہا ہے۔ یہ سن کر لوگ آپس میں
رد و کد کرنے لگے اور خفیہ مشورہ ہوا جس میں کہنے والوں نے کہا یہ
دونوں موسیٰ و ہارون تو جادوگر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے
زور سے تمہیں تمہاری سرزمین سے بے دخل کر دیں اور تمہارے
مثالی (اسٹیڈیل) طریق زندگی کو مٹا دیں۔

ظاہر ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرانے اور افتراء کے انجام سے خبردار
کرنے پر ان کے درمیان رد و کد اسی لیے شروع ہو گئی تھی کہ ان لوگوں کے
دلوں میں کہیں تھوڑا بہت اثر خدا کی عظمت اور اس کے خوف کا موجود تھا۔
لیکن جب ان کے قوم پرست حکمران طبقہ نے سیاسی انقلاب کا خطرہ پیش کیا،

اور کہا کہ موسیٰ اور ہارونؑ کی بات ماننے کا انجام یہ ہوگا کہ مصریت پھر اسرائیلیت سے مغلوب ہو جائے گی تو ان کے دل پھر سخت ہو گئے اور سب نے بالاتفاق رسولوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد ہم آسانی یہ تحقیق کر سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان اصل جھگڑا کس بات پر تھا، فرعون اور اس کی قوم کی حقیقی گمراہی کس نوعیت کی تھی، اور فرعون کس معنی میں الوہیت و ربوبیت کا مدعی تھا۔ اس غرض کے لیے قرآن کی حسب ذیل آیات ترتیب وار ملاحظہ کیجیے۔

۴۔ فرعون کے درباریوں میں سے جو لوگ حضرت موسیٰ کی دعوت کا استحصال کرنے پر زور دیتے تھے وہ ایک موقع پر فرعون کو خطاب کر کے کہتے ہیں۔
 اَتَذْكُرُ مَوْسٰی وَفُؤْمَنَہٗ لَیْسَ بِدُعَیِّ الْاَوْثٰقِ وَیَذَّکَّرُکَ وَآلِۂٖ کٰثِرٌ۔ (اعراف - ۱۲۵)
 کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ملک میں فساد پھیلائے اور آپ کے الہوں کو چھوڑ دیں دوسری طرف انہی درباریوں میں سے جو شخص حضرت موسیٰ پر ایمان لے آیا تھا وہ ان لوگوں کو خطاب کر کے کہتا ہے۔

تَذَعُوْا نَعْبٰی رَکُوعًا بِاللّٰہِ وَاشْرَکَ بِہٖ مَا لَیْسَ بِہٖ عِلْمٌ۔
 (المومن - ۶۲)

تم مجھے اس طرف بلا تے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں اور اس کے ساتھ ان کو شریک کروں جن کے شریک ہونے کے لیے میرے پاس کوئی علمی ثبوت نہیں۔

ان دونوں آیتوں کو جب ہم ان معلومات کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں جو تادم بخ و آثار قدیمہ کے ذریعہ سے ہمیں اس زمانہ کے اہل مصر کے متعلق حاصل ہوئی ہیں تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ فرعون خود بھی اور اس کی قوم کے لوگ بھی ربوبیت کے پہلے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے بعض دیوتاؤں کو خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر فرعون فوق الفطری معنوں میں خدا ہونے کا مدعی ہوتا، یعنی اگر اس کا دعویٰ یہی ہوتا کہ سلسلہ اسباب پر وہ خود حکمران ہے اور اس کے سوا زمین و آسمان کا اللہ و رب کوئی نہیں

ہے، تو وہ دوسرے الہوں کی پرستش نہ کرتا۔

۲۔ فرعون کے یہ الفاظ جو قرآن میں نقل کیے گئے ہیں کہ:-
يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرِي۔

(القصاص - ۲۸)

... لوگو! میں تو اپنے سوا کسی الہ کو جانتا نہیں ہوں۔

لَئِنْ اتَّخَذْتُ الْهٰٓغَيْرِيۡ لَا جَعَلَنٰكَ مِنَ
الْمَسْجُوۡدِيۡنَ۔ (الشعرا - ۲۹)

اے موسیٰ! اگر میرے سوا تو نے کسی کو الہ بنایا تو میں تجھے
قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

ان الفاظ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فرعون اپنے سوا دوسرے تمام الہوں
کی نفی کرتا تھا، بلکہ اس کی اصل غرض حضرت موسیٰ کی دعوت کو رد کرنا تھا۔ چونکہ
حضرت موسیٰ ایک ایسے الہ کی طرف بلا رہے تھے جو صرف فوق الفطری معنی

۳۔ بعض مفسرین نے محض اس مفروضہ پر کہ فرعون خود الہ العالمین ہونے کا دعویٰ
رکھتا تھا، سورہ اعراف کی مذکورہ متن آیت میں اِلٰهَتَكَ کی قرأت اختیار کی ہے
اور الہۃ بمعنی عبادت لیا ہے۔ یعنی ان کی قرأت کے مطابق آیت کا ترجمہ یوں
ہوگا کہ آپ کو اور آپ کی عبادت کو چھوڑ دے۔ لیکن اقول تو یہ قرأت شاذ ہے اور
معروف قرأت کے خلاف ہے، دوسرے وہ مفروضہ ہی سرے سے بے بنیاد
ہے جس پر یہ قرأت اختیار کی گئی ہے۔ تیسرے الہۃ کے معنی عبادت کے علاوہ معبودہ یا
دیوی کے بھی ہو سکتے ہیں۔ سورج کے لیے عرب بالہیت میں الہۃ ہی کا لفظ استعمال ہوتا تھا اور
یہ معلوم ہے کہ بالعموم مصریوں کا صنم اکبر سورج تھا۔ سورج کو مصری زبان میں ”رع“ کہتے
تھے اور فرعون کا مفہوم ”رع کی اولاد“ یا ”رع کا اوتار“ تھا پس درحقیقت فرعون جس
چیز کا مدعی تھا وہ صرف یہ تھی کہ میں سورج دیوتا کا جسمانی ظہور ہوں۔

ہی میں مجبور نہیں ہے بلکہ سیاسی و تمدنی معنی میں امر و نہی کا مالک اور اقتدارِ اعلیٰ کا حامل بھی ہے، اس لیے اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہارا ایسا اللہ تو میرے سوا کوئی نہیں ہے، اور حضرت موسیٰ کو دھمکی دی کہ اس معنی میں میرے سوا کسی کو الٰہ بناؤ گے تو جیل کی ہوا کھاؤ گے۔

نیز قرآن کی ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، اور تاریخ و آثارِ قدیمہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ فراعنہ مصر محض حاکمیت مطلقہ (Absolute Sovereignty) ہی کے مدعی نہ تھے بلکہ دیوتاؤں سے اپنا رشتہ بوڑھو کو ایک طرح کی قدوسیّت کا بھی دعویٰ رکھتے تھے تاکہ رعایا کے قلب و روح پر ان کی گرفت خوب مضبوط ہو جائے۔ اس معاملہ میں تنہا فراعنہ ہی منفرد نہیں ہیں، دنیا کے اکثر ملکوں میں شاہی خاندانوں نے سیاسی حاکمیت کے علاوہ فوق الفطری الوہیت و ربوبیت میں بھی کم و بیش حصہ بٹانے کی کوشش کی ہے اور رعیت کے لیے لازم کیا ہے کہ وہ ان کے آگے عبودیت کے کچھ نہ کچھ مراسم ادا کرے۔ لیکن دراصل یہ محض ایک ضمنی چیز ہے۔ اصل مقصد سیاسی حاکمیت کا استحکام ہوتا ہے اور اس کے لیے فوق الفطری الوہیت کا دعویٰ محض ایک تدبیر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی لیے مصر میں اور دوسرے جاہلیت پرست ملکوں میں بھی ہمیشہ سیاسی زوال کے ساتھ ہی شاہی خاندانوں کی الوہیت بھی ختم ہوتی رہی ہے۔ اور تخت جس جس کے پاس گیا ہے الوہیت بھی اسی کی طرف منتقل ہوتی چلی گئی ہے۔

۳۔ فرعون کا اصلی دعویٰ فوق الفطری خدائی کا نہیں بلکہ سیاسی خدائی کا تھا۔ وہ ربوبیت کے تیسرے پوتے اور پانچویں معنی کے لحاظ سے کہتا تھا کہ میں سرزمین مصر اور اس کے باشندوں کا ربِ اعلیٰ (over-lord) ہوں۔ اس ملک اور اس کے تمام وسائل و ذرائع کا مالک میں ہوں یہاں کی حاکمیت مطلقہ کا حق مجھ ہی کو پہنچتا ہے یہاں کے تمدن و اجتماع کی

اساس میری ہی مرکزی شخصیت ہے۔ یہاں قانون میرے سوا کسی اور کا نہ چلے گا۔ قرآن کے الفاظ میں اس کے دعویٰ کی بنیاد یہ تھی:-

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يٰقَوْمِ اَكْبِسْ لِىْ
مُلْكٌ مِّصْرَ وَهٰذَا اِلٰهٌ نَّهْرٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ اَفَلَا
تُبْصِرُوْنَ۔ (الزخرف-۵۱)

اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کی کہ اے قوم! کیا میں ملک
مصر کا مالک نہیں ہوں؟ اور یہ نہر میں میرے ماتحت نہیں چل رہی
ہیں؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

یہ وہی بنیاد تھی جس پر نمرود کا دعویٰ اُسے ربوبیت مبنی تھا رِکَابِہُمْ
فِیْ رَبِّہٖ اَنْ اَشَہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ اور اسی بنیاد پر حضرت یوسفؑ کا ہم عصر
بادشاہ بھی اپنے اہل ملک کا رب بنا ہوا تھا۔

۴۷۔ حضرت موسیٰ کی دعوت جس پر فرعون اور آل فرعون سے ان کا جھگڑا
تھا، دراصل یہ تھی کہ رب العالمین کے سوا کسی معنی میں بھی کوئی دوسرا الہ
اور رب نہیں ہے۔ وہی تنہا فوق الفطری معنی میں بھی الہ اور رب ہے،
اور سیاسی و اجتماعی معنی میں بھی پرستش بھی اسی کی ہو، بندگی و اطاعت
بھی اسی کی، اور پیروی قانون بھی اسی کی۔ نیز یہ کہ مصر کے نشانیوں کے ساتھ
اس نے مجھے اپنا نمائندہ مقرر کیا ہے، میرے ذریعہ سے وہ اپنے امر و نہی
کے احکام دے گا، لہذا اس کے بندوں کی عنان اقتدار تمہارے ہاتھ
میں نہیں، میرے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ اسی بنا پر فرعون اور اس کے
اعیان حکومت بار بار کہتے تھے کہ یہ دونوں بھائی ہمیں زمین سے بے دخل
کر کے خود قابض ہونا چاہتے ہیں اور ہمارے ملک کے نظام مذہب و
تمدن کو مٹا کر اپنا نظام قائم کرنے کے درپے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسٰی بِآیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ اِلٰی

فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبِعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا أَمْرُ
فِرْعَوْنَ بِشَيْءٍ۔ (ہود - ۹۷)

ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور صریح نشان ماموریت کے ساتھ
فرعون اور اس کے سرداران قوم کی طرف بھیجا تھا، مگر ان لوگوں نے
فرعون کے امر کی پیروی کی۔ حالانکہ فرعون کا امر راستی پر نہ تھا۔

وَلَقَدْ أَقْنَتْنَا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ
كَرِيمٌ أَنْ أَتُوا إِلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ إِيَّاكُمْ مِمَّا فُتِنُوا
وَأَنْ لَا تَغْلُوا عَلَى اللَّهِ إِيَّاكُمْ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ۔

(الدخان - ۱۷ - ۱۹)

اور ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمائش میں ڈالا تھا۔
ایک معزز رسول ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اللہ کے بندوں کو
میرے ہوا سے کرو۔ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ اور اللہ
کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو، میں تمہارے سامنے صریح نشان ماموریت
پیش کرتا ہوں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا
أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا، فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ
فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا قَرِيبًا۔ (المزمل - ۱۵ - ۱۷)

(اسے اہل مکہ!) ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو
تم پر گواہی دینے والا ہے، اسی طرح جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول
بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اُسے سختی
کے ساتھ پکڑا۔

قَالَ لِمَنْ رَبِّكُمْ يَا مُوسَىٰ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ
شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ۔ (طہ - ۴۹ - ۵۰)

فرعون نے کہا اسے موسیٰ اگر تم نہ دیوتاؤں کو رب مانتے ہو نہ شاہی خاندان کو تو آخر تمہارا رب کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا، ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا کی پھر اسے اس کے کام کرنے کا طریقہ بتایا۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْمَعُونَ۔ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمْ الْأَوَّلِينَ۔ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ۔ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ۔ قَالَ لَئِنْ اتَّخَذَتِ الْهَآغِيزُ نِيًّا لَّأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُودِينَ۔ (الشعراء- ۲۳-۲۹)

فرعون نے کہا اور یہ رب العالمین کیا ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا میں آسمان اور ہر اس چیز کا رب جو ان کے درمیان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ فرعون اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے بولا، سنتے ہو؟ موسیٰ نے کہا تمہارا رب بھی اور تمہارے آباء اجداد کا رب بھی۔ فرعون بولا تمہارے یہ رسول صاحبِ بوتہا ہی طرف بھیجے گئے ہیں، بالکل ہی پاگل ہیں۔ موسیٰ نے کہا مشرق اور مغرب اور ہر اس چیز کا رب جو ان کے درمیان ہے اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو۔ اس پر فرعون بول اٹھا کہ اگر میرے سوا تو نے کسی اور کو اللہ بنایا تو میں تجھے قید یوں میں شامل کر دوں گا۔

قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ

(طہ - ۵۷)

یُوسُفٰی۔

فرعون نے کہا اسے موسیٰ! کیا تو اس لیے آیا ہے کہ اپنے

جادو کے زور سے ہم کو ہماری زمین سے بے دخل کر دے؟
 وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ
 إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ
 الْفَسَادَ۔ (المومن - ۲۶)

اور فرعون نے کہا چھوڑو مجھے کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ
 اپنے رب کو مدد کے لیے پکار دیکھے۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ تمہارے
 دین کو بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔

قَالُوا إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ بَارِئٌ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ
 مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ مَأْوِيَّتُ هِيَ بِطَرِيقِكُمُ الْمُثَلَّى۔
 (طہ - ۶۳)

انہوں نے کہا کہ یہ دونوں تو جادوگر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اپنے
 جادو کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کریں اور تمہارے
 مثالی طریق زندگی کو مٹا دیں۔

ان تمام آیات کو ترتیب وار دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ربوبیت
 کے باب میں وہی ایک گمراہی جو ابتدا سے دنیا کی مختلف قوموں میں چلی آ رہی
 تھی اور منیل میں بھی ساری ظلمت اسی کی تھی اور وہی ایک دعوت جو ابتدا سے
 تمام انبیاء دیتے چلے آ رہے تھے، موسیٰ و ہارون علیہما السلام بھی اسی کی طرف
 بلائے تھے۔

یہود و نصاریٰ

قوم فرعون کے بعد ہمارے سامنے بنی اسرائیل اور وہ دوسری قومیں آتی
 ہیں جنہوں نے یہودیت اور عیسائیت اختیار کی۔ ان کے متعلق یہ تو گمان بھی
 نہیں کیا جاسکتا کہ یہ لوگ اللہ کی ہستی کے منکر ہوں گے یا اس کو اللہ اور رب
 نہ مانتے ہوں گے۔ اس لیے کہ خود قرآن نے ان کے اہل کتاب ہونے کی

تصدیق کی ہے پھر سوال یہ ہے کہ ربوبیت کے باب میں ان کے عقیدے اور طرز عمل کی وہ کونسی خاص غلطی ہے جس کی بنا پر قرآن نے ان لوگوں کو گمراہ

قرار دیا ہے؟ اس کا مجمل جواب خود قرآن ہی سے ہمیں ملتا ہے:-

فَلْيَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ
وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا
وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ۔ (المائدہ - ۷۷)

کہو اسے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو، اور ان قوموں کے فاسد خیالات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکی ہیں، جنہوں نے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کیا اور خود بھی راہ راست سے بھٹک گئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہودی اور عیسائی قوموں کی گمراہی بھی اصلاً اسی نوعیت کی ہے جس میں ان سے پہلے کی قومیں ابتدا سے مبتلا ہوتی چلی آئی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ گمراہی ان کے اندر غلو فی الدین کے راستہ سے آئی ہے۔ اب دیکھیے کہ اس اجمال کی تفصیل قرآن کس طرح کرتا ہے:-

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ۔ (التوبہ - ۳۰)

یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔
وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنَىٰ إِسْرَٰئِيلَ اٰعْبُدُوا اللَّهَ

رَبِّي وَرَبَّكُمْ۔ (المائدہ - ۷۲)

کفر کیا ان عیسائیوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب

ہے اور تمہارا بھی۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ (المائدہ - ۷۳)

کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ ایک الہ کے سوا کوئی دوسرا الہ ہے ہی نہیں۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي ابْنَ مَرْيَمَ إِنَّكَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوا مِنِّي وَآلِئِي آلِهَةً مِمَّنْ دُونِ اللَّهِ، قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّقٍ۔

(المائدہ - ۱۱۶)

اور جب اللہ پوچھے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی الہ بنا لو، تو وہ جواب میں عرض کریں گے کہ سبحان اللہ میری کیا مجال تھی کہ میں وہ بات کہتا کہ جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔

مَا كَانَا لِنَبْدَأَ أَنْ تُوْحِيَ إِلَهُ الصِّبْ وَالْحُكْمَ وَالنُّوَّةَ ثُمَّ يَقُولُ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّاتِنَا يَنْتَهِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ شَدَّ رُسُونَ وَلَئِنْ مَرَكُمُ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا، أَيَا مَرَكُمُ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ (آل عمران - ۷۹ - ۸۰)

کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ ربانی (خدا پرست) بنو۔ جس طرح تم خدا کی کتاب میں پڑھتے پڑھاتے ہو اور جس کے درس دیا کرتے ہو۔ اور نہ نبی کا یہ کام ہے کہ وہ تم کو یہ حکم دے کہ ملائکہ اور پیغمبروں کو رب بنا لو۔ کیا وہ تمہیں کفر کی تعلیم دے گا جبکہ تم مسلمان

ہو چکے ہو۔

ان آیات کی رو سے اہل کتاب کی پہلی گمراہی یہ تھی کہ بزرگ ہستیاں
— انبیاء، اولیاء، ملائکہ وغیرہ — دینی حیثیت سے قدر و منزلت
کی مستحق تھیں، ان کو انہوں نے ان کے حقیقی مرتبہ سے بڑھا کر خدائی کے مرتبہ
میں پہنچا دیا، کار و بار خداوندی میں انہیں دخیل و شریک ٹھہرایا، ان کی پرستش
کی، ان سے دعائیں مانگیں۔ انہیں فوق الفطری ربوبیت و الٰہیت میں
حصہ دار سمجھا، اور یہ گمان کیا کہ وہ بخشش اور مددگاری اور نگہبانی کے اختیارات
رکھتی ہیں۔

اس کے بعد ان کی دوسری گمراہی یہ تھی کہ:-

اِنَّ خَلْقَ دَاۤءِ اَۡحَبَّ اِلَیَّہُمْ وَاَۡدْبَابًا مِّنْ

دُوۡنِ اللّٰہِ۔ (التوبہ — ۳۱)

انہوں نے اللہ کے سوا اپنے علماء اور مشائخ کو بھی اپنا رب بنالیا۔
یعنی نظام دینی میں جن لوگوں کی حیثیت صرف یہ تھی کہ خدا کی شریعت کے
احکام بتائیں اور خدا کی مرضی کے مطابق اخلاق کی اصلاح کریں، انہیں رفتہ رفتہ
یہ حیثیت دے دی کہ باختیار خود جس چیز کو چاہیں حرام اور جسے چاہیں حلال
ٹھہرا دیں اور کتاب الہی کی سند کے بغیر جو حکم چاہیں دیں، جس چیز سے چاہیں
منع کر دیں اور جو سنت چاہیں جاری کر دیں۔ اس طرح یہ لوگ انہی دو عظیم الشان
بنیادی گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے جن میں قوم نوح، قوم ابراہیم، عاد، ثمود، اصل
مدین اور دوسری قومیں مبتلا ہوئی تھیں۔ ان کی طرح انہوں نے بھی فوق الطبیعی
ربوبیت میں فرشتوں اور بزرگوں کو اللہ کا شریک بنالیا۔ اور انہی کی طرح
انہوں نے تمدنی و سیاسی ربوبیت اللہ کے بجائے انسانوں کو دی اور اپنے
تمدن، معاشرت، اخلاق اور سیاست کے اصول و احکام اللہ کی سند سے
بے نیاز ہو کر انسانوں سے لینے شروع کر دیے حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ:-

الْمُتَرَاتِلِ الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ

يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ - (النساء - ۵۱)

تمہنے دیکھا ان لوگوں کو جنہیں کتاب اللہ کا ایک حصہ ملا ہے
اور ان کی حالت یہ ہے کہ جبت اور طاغوت کو مان رہے ہیں۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ مِّنْ ذَلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ
مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ
وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتِ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا
وَاضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ - (المائدة - ۶۰)

کہو! میں تمہیں بتاؤں اللہ کے نزدیک فاسقین سے بھی زیادہ
بدتر انجام کس کا ہے؟ وہ جن پر اللہ نے لعنت کی، جن پر اس کا
غضب ٹوٹا، جن میں بہت سے لوگ اس کے حکم سے بندہ اور سوز
تک بنائے گئے اور انہوں نے طاغوت کی بندگی کی، وہ سب سے
بدتر درجہ کے لوگ ہیں اور راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکے
ہوئے ہیں۔

”جبت“ کا لفظ تمام اوبام و خرافات کے لیے جامع لفظ ہے جس میں
جادو، ٹونے، ٹوشکے، کہانت، فال گیری، سعد و نحس کے تصورات، غیر فطری
تاثیرات، غرض جملہ اقسام کے توہمات شامل ہیں۔ اور ”طاغوت“ سے مراد
ہر وہ شخص یا گروہ یا ادارہ ہے جس نے خدا کے مقابلہ میں سرکشی اختیار کی ہو،
اور بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خداوندی کا علم بلند کیا ہو۔ پس یہود و نصاریٰ سے
جب مذکورہ بالا دو قسم کی گمراہیوں میں پڑ گئے تو پہلی قسم کی گمراہی کا نتیجہ یہ ہوا
کہ رفتہ رفتہ ہر قسم کے توہمات نے ان کے دلوں اور دماغوں پر قبضہ کر لیا، اور
دوسری گمراہی نے ان کو علماء و مشائخ اور زہاد و صوفیہ کی بندگی سے بڑھا کر
ان جباروں اور ظالموں کی بندگی و اطاعت تک پہنچا دیا جو کلمہ کھلا خدا سے

باغی تھے۔

مشرکین عرب

اب دیکھنا چاہیے کہ وہ عرب کے مشرکین جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، اور جو قرآن کے اولین مخاطب تھے، اس باب میں ان کی گمراہی کس نوعیت کی تھی۔ کیا وہ اللہ سے ناواقف تھے یا اس کی ہستی کے منکر تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے بھیجے گئے تھے کہ انہیں وجود باری کا معترف بنائیں؟ کیا وہ اللہ کو الہ اور رب نہیں مانتے تھے اور قرآن اس لیے نازل ہوا تھا کہ انہیں حق جل شانہ کی الہیت و ربوبیت کا قائل کرے؟ کیا انہیں اللہ کی عبادت و پرستش سے انکار تھا؟ یا وہ اللہ کو دعائیں سننے والا اور حاجتیں پوری کرنے والا نہیں سمجھتے تھے؟ کیا ان کا خیال یہ تھا کہ لات اور منات اور عجزی اور جہل اور دوسرے معبود ہی اصل میں کائنات کے خالق، مالک، رازق اور مدبر و منتظم ہیں؟ یا وہ اپنے ان معبودوں کو قانون کا منہج اور اخلاق و تمدن کے مسائل میں ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ مانتے تھے؟ ان میں سے ایک ایک سوال کا جواب ہم کو قرآن سے نفی کی صورت میں ملتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ عرب کے مشرکین نہ صرف یہ کہ اللہ کی ہستی کے قائل تھے، بلکہ اسے تمام کائنات کا اور خود اپنے معبودوں تک کا خالق، مالک اور خدا و نذا علیٰ مانتے تھے اس کو رب اور الہ تسلیم کرتے تھے۔ مشکلات اور مصائب میں آخری اپیل وہ جس سرکار میں کرتے تھے وہ اللہ ہی کی سرکار تھی۔ انہیں اللہ کی عبادت و پرستش سے بھی انکار نہ تھا۔ ان کا عقیدہ اپنے دیوتاؤں اور معبودوں کے بارے میں نہ تو یہ تھا کہ وہ ان کے اور کائنات کے خالق و رازق ہیں اور نہ یہ کہ یہ معبود زندگی کے تمدنی و اخلاقی مسائل میں ہدایت و رہنمائی کرتے ہیں۔ چنانچہ ذیل کی آیات اس پر شاہد ہیں:-

قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ

لَهُ۔ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ۔ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّعٰوِیَّہِ
وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ سَیَقُولُونَ لِلّٰہِ۔ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ۔
قُلْ مَنِ الْمَلِکُوتُ کُلِّ شَیْءٍ وَهُوَ یُحْیِیْهِ وَیُمِیْتُہٗ
عَلِیْہِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَیَقُولُونَ لِلّٰہِ، قُلْ فَاِنِیْ
تُسْحَرُونَ بَلْ اَتٰیْنٰہُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّہُمْ لَکٰذِبُونَ۔

(المومنون - ۸۲ - ۹۰)

اسے نبی ان سے کہو، زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کی ملک
ہے؟ بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اللہ کی ملک ہے۔ کہو پھر
بھی تم نصیحت قبول نہیں کرتے کہو، ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب
کون ہے؟ وہ کہیں گے اللہ۔ کہو پھر بھی تم نہیں ڈرتے؟ کہو ہر چیز کے
شاہانہ اختیار کس کے ہاتھ میں ہیں؟ اور وہ کون ہے جو پناہ دیتا
ہے مگر اس کے مقابلہ میں پناہ دینے کی طاقت کسی میں نہیں بتاؤ
اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے یہ صفت اللہ ہی کی ہے۔ کہو پھر کہاں
سے تم کو دھوکا لگتا ہے؟ حق یہ ہے کہ ہم نے صداقت ان کے سامنے
پیش کر دی ہے اور یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُسِِّرْکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ
فِی الْفُلِ کَلِمَۃٌ مِنْہُمْ یُرِیْہُمْ طَیْبَۃً وَّفَرِحُوْا بِہَا
جَآءَ ثَہَارِیْہُمْ عَاصِفٌ وَّجَآءَہُمْ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ
وَقَضٰوْا اَنَّهُمْ اُحْیِطَ بِہُمْ دَعَا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہِ
الدَّیْنِ لَئِنْ اُنْجِیْتْنَا مِنْ ہٰذَا لَنُکُوْنَنَّ مِنَ
الشَّاکِرِیْنَ۔ فَلَمَّا اُنْجِیْتُمْ اِذَا ہُمْ یَبْعُوْنَ فِی الْاَرْضِ
یَغٰیثُ الْاَحْقَ۔

(یونس - ۲۲ - ۲۳)

وہ اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے حتیٰ کہ جس وقت

تم کشتی میں سوار ہو کر بادِ موافق پر فرماں و شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکایک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیرے لگتے ہیں اور تم سمجھتے ہو کہ طوفان میں گھر گئے اس وقت سب اللہ ہی کو پکارتے ہیں اور اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کر کے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے اس بلا سے ہم کو بچا لیا تو ہم تیرے شکر گزار بندے بنیں گے، مگر جب وہ ان کو بچا لیتا ہے تو پھر وہی لوگ حق سے منحرف ہو کر زمین میں بغاوت کرنے لگتے ہیں۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ ۖ فَلْيَأْكُلُوا مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ (۶۷) (بنی اسرائیل - ۶۷)

جب سمندر میں تم پر کوئی آفت آتی ہے تو اس ایک رب کے سوا اور جن جن کو تم پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں مگر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے پھر جاتے ہو۔ سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ناشکر ہے۔ (بنی اسرائیل - ۶۷)

اپنے معبودوں کے متعلق ان کے جو خیالات تھے وہ خود انہی کے الفاظ میں قرآن اس طرح نقل کرتا ہے:-

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر - ۳)

جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے ولی اور کارساز ٹھہرا رکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں۔

وَيَقُولُونَ هُوَ أَدْنَىٰ شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ (یونس - ۱۸)

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے حضور میں ہمارے سفارشی ہیں۔

پھر وہ اپنے معبودوں کے بارے میں اس قسم کا بھی کوئی گمان نہ رکھتے تھے کہ وہ مسائل زندگی میں ہدایت بخشنے والے ہیں۔ چنانچہ سورہ یونس میں اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ:-

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ - (یونس - ۳۵)

ان سے پوچھو، تمہارے ٹھہرائے ہوئے ان شریکوں میں سے کوئی

حق کی طرف رہنمائی کرنے والا بھی ہے۔

لیکن یہ سوال سن کر ان پر سکوت چھا جاتا ہے ان میں سے کوئی یہ جواب نہیں دیتا کہ ہاں لاٹ یا منات یا عزی یا دوسرے معبود ہمیں فکر و عمل کی صحیح راہیں بتاتے ہیں اور وہ دنیا کی زندگی میں عدل اور سلامتی اور امن کے اصول ہمیں سکھاتے ہیں اور ان کے سرچشمہ علم سے ہم کو کائنات کے بنیادی حقائق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ تب اللہ اپنے نبی سے فرماتا ہے:-

قُلْ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ

أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ مَنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ

تَحْكُمُونَ -

یونس - ۳۵

کہو، مگر اللہ حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے، پھر بتاؤ کون اس بات کا

زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے؟ وہ جو حق کی طرف رہنمائی کرتا

ہے، یا وہ جو خود ہدایت نہیں پاتا الا یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے؟ تمہیں

کیا ہو گیا ہے، کیسے فیصلے کر رہے ہو؟

ان تصریحات کے بعد اب یہ سوال حل طلب رہ جاتا ہے کہ ربوبیت

کے باب میں ان کی وہ اصل گمراہی کیا تھی جس کی اصلاح کرنے کے لیے اللہ

نے اپنے نبی کو بھیجا اور کتاب نازل کی؟ اس سوال کی تحقیق کے لیے جب ہم

قرآن میں نظر کرتے ہیں تو ان کے عقائد و اعمال میں بھی ہم کو انہی دو بنیادی گمراہیوں

کا سراغ ملتا ہے جو قدیم سے تمام گمراہ قوموں میں پائی جاتی رہی ہیں، یعنی:

ایک طرف فوق الطبیعی ربوبیت و الہیت میں وہ اللہ کے ساتھ دوسرے
 الہوں اور ارباب کو شریک ٹھہراتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ سلسلہ اسباب پر
 جو حکومت کارفرما ہے اس کے اختیارات و اقتدار است میں کسی نہ کسی طور پر ملائکہ
 اور بزرگ انسان اور اجرام فلکی وغیرہ بھی دخل رکھتے ہیں اسی بنا پر دعا اور استعا
 اور مراسم عبودیت میں وہ صرف اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے بلکہ ان
 بناوٹی خداؤں کی طرف بھی رجوع کیا کرتے تھے۔

دوسری طرف تمدنی و سیاسی ربوبیت کے باب میں ان کا ذہن اس
 تصور سے بالکل خالی تھا کہ اللہ اس معنی میں بھی رب ہے۔ اس معنی میں وہ
 اپنے مذہبی پیشواؤں، اپنے سرداروں اور اپنے خاندان کے بزرگوں کو رب
 بنائے ہوئے تھے اور انہی سے اپنی زندگی کے قوانین لیتے تھے۔

چنانچہ پہلی گمراہی کے متعلق قرآن یہ شہادت دیتا ہے :-

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّبِعُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِذَا
 أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِذَا صَابَهُ ضَرٌّ فَتَثَنُّ فِي الْقَلْبِ
 عَلَىٰ وَجْهِهِ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ
 الْمُبِينُ۔ يَدْعُو مَن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُ
 ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ، يَدْعُو لَمَن ضَرُّكَ أَقْرَبُ مَن
 نَفَعَكَ لَبِئْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ۔ (الحج - ۱۱ - ۱۳)

انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو خدا پرستی کی سرحد پر کھڑا ہو
 کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ فائدہ ہوا تو مطمئن ہو گیا۔ اور جو کوئی
 تکلیف پہنچ گئی تو الٹا پھر گیا۔ یہ شخص دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ
 اٹھانے والا ہے۔ وہ اللہ سے پھر کر ان کو پکارنے لگتا ہے جو نہ اسے
 نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ فائدہ پہنچانے کی۔ یہی
 بڑی گمراہی ہے۔ وہ مدد کے لیے ان کو پکارتا ہے جنہیں پکارنے کا

نقصان بہ نسبت نفع کے زیادہ قریب ہے کیسا بڑا مولیٰ ہے اور
کیسا بڑا ساتھی ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْصُرُهُمْ وَلَا
يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هُوَ ذَا شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ
أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ
سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ (یونس - ۱۸)

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ نفع پہنچا سکتے
ہیں نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں،
کہو اور اسے پیغمبر! صلی اللہ علیہ وسلم، کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے
ہو، جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں؟ اللہ پاک ہے
اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔

قُلْ إِنَّمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ
وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا۔ (نجم السجدة - ۹)

اے نبی! ان سے کہو، کیا واقعی تم اس خدا سے جس نے دو دن میں
زمین کو پیدا کر دیا کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا ہمسرا و مد مقابل

لے یعنی تم اس خیالِ خام میں مبتلا ہو کہ تمہارے ان معبودوں کا میرے ہاں ایسا زور چلتا ہے کہ
جو سفارش پر مجھ سے کر دیں وہ بس قبول ہو کہ دہتی ہے، اور اسی لیے تم ان کے آستانوں پر
پیشانیاں رگڑتے اور نذرین چڑھاتے ہو۔ مگر میں تو آسمانوں اور زمین کسی ایسی مہتی کو نہیں
جاتا جو میرے دربار میں اتنی زور آور ہو یا مجھے ایسی محبوب ہو کہ میں اس کی سفارش
قبول کرنے پر مجبور ہو جاؤں پھر کیا تم مجھے ان سفارشیوں کی خبر دے رہے ہو جنہیں
میں خود نہیں جانتا؟ ظاہر ہے کسی چیز کا اللہ کے علم میں نہ ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس
چیز کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

بناتے ہو۔

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا
وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (المائدہ - ۷۶)

کہو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے
لیے نقصان کا کچھ اختیار رکھتے ہیں نہ فائدے کا؟ حالانکہ سننے اور
جاننے والا تو اللہ ہی ہے۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ
إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن
قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَشْدَادًا آلِيضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ۔ (الزمر - ۸)
اور جب انسان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو یکسو ہو کر اپنے
رب ہی کو پکارتا ہے، مگر جب وہ اپنی نعمت سے اس کو سرفراز کرتا
ہے تو یہ اس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس میں مدد کے لیے اس
سے پہلے اللہ کو پکار رہا تھا اور اللہ کے ہمسر ٹھہرانے لگتا ہے تاکہ
یہ حرکت اسے اللہ کے راستے سے بھٹکا دے۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ
تَجْتَرِعُونَ ثُمَّ إِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْكُمْ
يَسْرِعُونَ لِيُشْرِكُوا بِمَا آتَيْنَاهُم فَتَمَتَّعُوا
فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا
رَزَقْنَاهُمْ تَاللَّهِ لَتَسْتَخْلِنَنَّهُمْ ثُمَّ تَقْتَرُونَ (المنحل - ۵۳-۵۶)
تہیں جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ کی بخشش سے حاصل ہے۔

۱۔ اللہ کے ہمسر ٹھہرانے لگتا ہے یعنی یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ مصیبت فلاں بزرگ کی برکت
سے ٹپکی اور یہ نعمت فلاں حضرت کی عنایت سے نصیب ہوئی۔

جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اللہ ہی کی طرف فریاد لے کر تم جاتے ہو، مگر جب وہ اس مصیبت کو تم پر سے مٹا دیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو اس مشکل کشائی میں دوسروں کو شریک ٹھہرانے لگتے ہیں تاکہ ہمارے احسان کا جواب احسان فراموشی سے دیں۔ اچھا مزے کر لو۔ عنقریب تمہیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ یہ لوگ جن کو نہیں جانتے ان کے لیے ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے حصے مقرر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جو اقتراء پر دائریاں تم کرتے ہو ان کی باز پرس تم سے ہو کر رہے گی۔ یہی دوسری

گمراہی تو اس کے متعلق قرآن کی شہادت یہ ہے:-

وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ
شُرَكَاءُهُمْ لِيُزْذَوْهُمْ وَلَيْسُوا عَلَيْهِمْ
وَيْتَهُمْ۔ (انعام - ۱۳۸)

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے اپنی اولاد کا قتل پسندیدہ بنا دیا تاکہ انہیں ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان کے دین کو ان کے لیے مشتبہ بنا دیں۔

ظاہر ہے کہ یہاں ”شریکوں“ سے مراد بت اور دیوتا نہیں ہیں بلکہ وہ پیشوا اور رہنما ہیں جنہوں نے قتل اولاد کو اہل عرب کی نگاہ میں ایک بھلائی اور نھنی کا کام بنایا اور حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ کے دین میں اس رسم قبیح کی آمیزش کر دی۔

۱۔ یعنی جن کے متعلق انہیں ہرگز کسی ذریعہ علم سے یہ تحقیق نہیں ہو سکتی کہ مصیبت کے مٹانے والے اور مشکل کو آسان کرنے والے وہ تھے، ان کے لیے شکرانے کے طور پر چڑھاوے اور نذریں اور نیازیں نکالتے ہیں اور لطف یہ کہ ہمارے دیے ہوئے رزق سے نکالتے ہیں۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ خدا کے ”شریک“ اس معنی میں قرار نہیں دیے گئے تھے کہ اہل عرب ان کو سلسلہ اسباب پر حکمران سمجھتے تھے یا ان کی پرستش کرتے اور ان سے دعائیں مانگتے تھے، بلکہ ان کو ربوبیت والہیت میں شریک اس لحاظ سے ٹھہرایا گیا تھا کہ اہل عرب ان کے اس حق کو تسلیم کرتے تھے کہ تمدنی و معاشرتی مسائل اور اخلاقی و مذہبی امور میں وہ جیسے چاہیں قوانین مقرر کر دیں۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ وَشَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ

يَاْذَنَ بِهِ اللّٰهُ۔ (الشوریٰ — ۲۱)

کیا یہ ایسے شریک بنائے بیٹھے ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین

کی قسم سے وہ قانون بنا دیا جس کا اللہ نے کوئی اذن نہیں دیا ہے۔

لفظ ”دین“ کی تشریح آگے چل کر بیان ہوگی اور وہیں اس آیت کے مفہوم کی وسعت بھی پوری طرح واضح ہو سکے گی، لیکن یہاں کم از کم یہ بات تو صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر ان کے پیشواؤں اور سرداروں کا ایسے ضابطے اور قاعدے مقرر کرنا جو ”دین“ کی نوعیت رکھتے ہوں اور اصل عرب کا ان ضابطوں اور قاعدوں کو واجب التقلید مان لینا یہی ربوبیت و الہیت میں ان کا خدا کے ساتھ شریک بننا اور یہی اہل عرب کا ان کی شرکت کو تسلیم کر لینا تھا۔

قرآن کی دعوت :

گمراہ قوموں کے تخیلات کی یہ تحقیق تو پچھلے صفحات میں کی گئی ہے۔ اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتی ہے کہ قدیم ترین زمانہ سے لے کر زمانہ نزول قرآن تک جتنی قوموں کا ذکر قرآن نے ظالم، فاسد العقیدہ اور بد راہ ہونے کی حیثیت سے کیا ہے، ان میں سے کوئی بھی خدا کی ہستی کی منکر نہ تھی، نہ کسی کو اللہ کے مطلقاً رب اور الٰہ ہونے سے انکار تھا، البتہ ان سب کی اصل گمراہی اور مشترک گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے ربوبیت کے اُن پانچ مفہومات

کو جو ہم ابتدا میں لغت اور قرآن کی شہادتوں سے متعین کر چکے ہیں، دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

رب کا یہ مفہوم کہ وہ فوق الفطری طور پر مخلوقات کی پرورش، خبرگیری، حاجت روائی اور نگہبانی کا کفیل ہوتا ہے، ان کی نگاہ میں ایک الگ نوعیت رکھتا تھا، اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ اگرچہ رب اعلیٰ تو اللہ ہی کو مانتے تھے، مگر اس کے ساتھ فرشتوں اور دیوتاؤں کو جنوں کو، غیر مرئی قوتوں کو، ستاروں اور ستاروں کو، انبیاء اور اولیا اور روحانی پیشواؤں کو بھی ربوبیت میں شریک ٹھہراتے تھے۔

اور رب کا یہ مفہوم کہ وہ امر و نہی کا مختار، اقتدار اعلیٰ کا مالک، ہدایت و رہنمائی کا منبع، قانون کا ماخذ، مملکت کا رئیس اور اجتماع کا مرکز ہوتا ہے، ان کے نزدیک بالکل ہی ایک دوسری حیثیت رکھتا تھا، اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ یا تو اللہ کے بجائے صرف انسانوں ہی کو رب مانتے تھے یا نظریے کی حد تک اللہ کو رب ماننے کے بعد عملاً انسانوں کی اخلاقی و تمدنی اور سیاسی ربوبیت کے آگے سیر اطاعت ختم کیے دیتے تھے۔

اسی گمراہی کو دور کرنے کے لیے ابتداء سے انبیاء علیہم السلام آتے رہے ہیں اور اسی کے لیے آخر کار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ ان سب کی دعوت یہ تھی کہ ان تمام مفہومات کے اعتبار سے رب ایک ہی ہے اور وہ اللہ جل شانہ ہے۔ ربوبیت ناقابل تقسیم ہے۔ اس کا کوئی جز کسی معنی میں بھی کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ کائنات کا نظام ایک کامل مرکزی نظام ہے جس کو ایک ہی خدا نے پیدا کیا۔ جس پر ایک خدا فرماں روائی کر رہا ہے، جس کے سارے اختیارات و اقتدارات کا مالک ہی خدا ہے۔ نہ اس نظام کے پیدا کرنے میں کسی دوسرے کا کچھ دخل ہے، نہ اس کی تدبیر و انتظام میں کوئی شریک ہے، اور نہ ہی فرماں روائی میں کوئی حصہ دار ہے۔ مرکزی اقتدار کا مالک ہونے کی حیثیت

سے وہی اکیلا خدا تمہارا فوق الفطری رب بھی ہے اور اخلاقی و تمدنی اور سیاسی رب بھی۔ وہی تمہارا محبوب ہے۔ وہی تمہارے سجدوں اور رکوعوں کا مرجع ہے۔ وہی تمہاری دعاؤں کا لجا و ماویٰ ہے۔ وہی تمہارے توکل و اعتماد کا سہارا ہے۔ وہی تمہاری ضرورتوں کا کفیل ہے۔ اور اسی طرح وہی بادشاہ ہے۔ وہی مالک الملک ہے۔ وہی شارع و قانون ساز اور امر و نہی کا مختار بھی ہے۔ ربوبیت کی یہ دونوں حیثیتیں جن کو جاہلیت کی وجہ سے تم نے ایک دوسرے سے الگ ٹھہرایا ہے، حقیقت میں خدائی لازمہ اور خدا کے خدا ہونے کا خاصہ ہیں۔ انہیں نہ ایک دوسرے سے منفک کیا جاسکتا ہے، اور نہ ان میں سے کسی حیثیت میں بھی مخلوقات کو خدا کا شریک ٹھہرانا درست ہے۔ اس دعوت کو قرآن جس طریقہ سے پیش کرتا ہے وہ خود اسی کی زبان سے گنیئے:-

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي
سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ
يَطْلُبُهُ حَبِثَاتُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ
بِأَمْرِكَ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ
الْعَالَمِينَ۔ (الاعراف - ۵۴)

حقیقت میں تمہارا رب تو اللہ ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور پھر اپنے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہو گیا، جو دن کو رات کا لباس اڑھاتا ہے اور پھر رات کے تعاقب میں دن تیزی کے ساتھ دوڑ آتا ہے، سورج اور چاند اور تارے سب کے سب جس کے تابع فرمان ہیں۔ سنو! خلق اسی کی ہے اور فرماں روائی بھی اسی کی۔ بڑا بابرکت ہے وہ کائنات کا رب۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ

يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجِ الْحَيَّ مِنَ
الْمَيِّتِ وَيُخْرِجِ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَارِ الْأُمُورَ
فَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ . قَدْ آتَاكُمُ اللَّهُ
رَبَّكُمْ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّى
تُضِلُّونَ . (یونس، ۳۱-۳۲)

ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟
کانوں کی شنوائی اور آنکھوں کی بینائی کس کے قبضہ و اختیار میں ہے؟
کون ہے جو بے جان کو جاندار بنائے اور جاندار کو بے جان میں
سے نکالتا ہے؟ اور کون اس کا رگاہِ عالم کا انتظام چلا رہا ہے؟ وہ
منور کہیں گے اللہ۔ کہو، پھر تم ڈرتے نہیں ہو؟ جب یہ سارے
کام اسی کے ہیں تو تمہارا حقیقی رب اللہ ہی ہے۔ حقیقت کے
بعد گمراہی کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے؟ آخر کہاں سے تمہیں یہ شکوک
گلتی ہے کہ حقیقت سے پھرے جاتے ہو؟

خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى
النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ذَالِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ذَالِكُمُ
الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَآتَى تُضِلُّونَ . (الزمر- ۵-۶)

اس نے زمین و آسمان کو برحق پیدا کیا ہے۔ رات کو دن پر اور
دن کو رات پر وہی لپیٹتا ہے۔ چاند اور سورج کو اسی نے ایسے
مناہجے کا پابند بنایا ہے کہ ہر ایک اپنے مقررہ وقت تک چلے جا
رہا ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ اس
کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ آخر یہ تم کہاں سے شکوک کھا کر پھرے
جاتے ہو؟

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ذَايَكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، فَإِنِ تَوَفَّكُم مِّنَ الْأَرْضِ فَأَوَّكُوا لَهَا وَإِنَّ السَّمَاءَ بَنَاءً وَمُورَكُمْ فَاحْشَنَ صُورَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الْقَلْبِ ذَايَكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ - (المومن - ۶۱ - ۶۵)

اللہ جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں تم سکون حاصل کرو۔ اور دن کو روشن کیا وہی تمہارا اللہ تمہارا رب ہے، ہر چیز کا خالق، کوئی اور معبود اس کے سوا نہیں، پھر یہ کہاں سے دھوکا کھا کر تم بھٹک جاتے ہو؟ اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بنائے قرار بنایا، آسمان کی چھت تم پر چھائی، تمہاری صورتیں بنائیں اور خوب ہی صورتیں بنائیں، اور تمہاری غذا کے لیے پاکیزہ چیزیں مہیا کیں، وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ بڑا بابرکت ہے وہ کائنات کا رب۔ وہی زندہ ہے۔ کوئی اور معبود اس کے سوا نہیں۔ اسی کو تم پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے۔

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ يُؤَلِّمُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّمُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى، ذَايَكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا فَأَسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ - (فاطر - ۱۳ - ۱۷)

اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا وہ بات کو دن میں پردہ دیتا

ہے اور دن کو راتیں اس نے چاند اور سورج کو ایسے ضابطہ کا پابند
 بنایا ہے کہ ہر ایک اپنے مقررہ وقت تک چلے جا رہا ہے۔ یہی
 اللہ تمہارا رب ہے۔ پادشاہی اسی کی ہے۔ اس کے سوا جن دوسری
 ہستیوں کو تم پکارتے ہو ان کے ہاتھ میں ایک ذرہ کا اختیار بھی نہیں
 ہے۔ تم پکارو تو وہ تمہاری پکاریں سنی نہیں سکتے، اور سن بھی لیں تو
 تمہاری درخواست کا جواب دینا ان کے بس میں نہیں۔ تم جو انہیں
 شریک خدا بناتے ہو اس کی تردید وہ خود قیامت کے دن کر دیں گے۔
 وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلُّ لَهٗ قَانُتُوْنَ...
 ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ
 مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءٍ فَمَا ذَرَفْتُمْ فَاَنْتُمْ
 فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ
 نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ، بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
 اَهْوَاَءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ... فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ
 حَنِيفًا، فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ
 لِمَخْلُوْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ
 لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (الروم، ۲۶-۳۰)

آسمانوں کے رہنے والے ہوں یا زمین کے سب اس کے غلام
 اور اس کے تابع فرمان ہیں۔۔۔۔۔ اللہ خود تمہاری اپنی ذات سے
 ایک مثال تمہارے سامنے بیان کرتا ہے۔ کیا تمہارے غلاموں میں
 سے کوئی ان چیزوں کی ملکیت میں تمہارا شریک ہوتا ہے جو ہم نے
 تمہیں بخشی ہیں؟ کیا ان چیزوں کے اختیارات و تصرفات میں تم اور
 تمہارے غلام مساوی ہوتے ہیں؟ کیا تم ان سے اس طرح ڈرتے
 ہو جس طرح اپنے برابر و نوں سے ڈرتے ہو؟ جو لوگ عقل سے

کام لینے والے ہیں ان کے لیے تو ہم حقیقت تک پہنچا دینے والی
دلیلیں اس طرح کھول کر بیان کر دیتے ہیں مگر ظالم لوگ علم کے بغیر
اپنے بے بنیاد خیالات کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ لہذا تم
بالکل یکسو ہو کر حقیقی دین کے راستہ پر اپنے آپ کو ثابت قدم کر دو
اللہ کی فطرت پر قائم ہو جاؤ۔ جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا
کیا ہے۔ اللہ کی خلقت کو بدلنا نہ جائے۔ یہی ٹھیک سیدھا طریقہ
ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالسَّمُوتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ
وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ (الزمر - ۶۷)

ان لوگوں نے اللہ کی عظمت و کبریائی کا اندازہ جیسا کہ کرنا
چاہیے تھا، نہیں کیا۔ قیامت کے روز یہ دیکھیں گے کہ زمین پوری
کی پوری اس کی مٹھی میں ہے اور آسمان اس کے ہاتھ میں سمٹے ہوئے
ہیں۔ اس کی ذات منزہ اور بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اس کا
شریک ہو، جیسا کہ یہ لوگ قرار دے رہے ہیں۔

قُلِ لِلَّهِ الْحَمْدُ دَبَّتِ السَّمُوتُ وَدَبَّتِ الْأَرْضُ مَا دَبَّتِ
الْعُلَمَاءُ وَلَكِنَّ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (جاثیہ - ۳۷)

پس ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو زمین و آسمان اور
تمام کائنات کا رب ہے۔ کبریائی اسی کی ہے۔ آسمانوں میں بھی
اور زمین میں بھی۔ اور وہ سب پر غالب اور حکیم و داناس ہے۔

دَبَّتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ فَاصْطَبِرْ
لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا۔ (مریم - ۶۵)

کام لینے والے ہیں ان کے لیے تو ہم حقیقت تک پہنچا دینے والی
دلیلیں اس طرح کھول کر بیان کر دیتے ہیں مگر ظالم لوگ علم کے بغیر
اپنے بے بنیاد خیالات کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ لہذا تم
بالکل یکسو ہو کر حقیقی دین کے راستہ پر اپنے آپ کو ثابت قدم کر دو
اللہ کی فطرت پر قائم ہو جاؤ۔ جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا
کیا ہے۔ اللہ کی خلقت کو بدلانا جائے۔ یہی ٹھیک سیدھا طریقہ
ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالسَّمُوتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ
وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ (الزمر - ۶۷)

ان لوگوں نے اللہ کی عظمت و کبریائی کا اندازہ جیسا کہ کرنا
چاہیے تھا، نہیں کیا۔ قیامت کے روز یہ دیکھیں گے کہ زمین پوری
کی پوری اس کی مٹھی میں ہے اور آسمان اس کے ہاتھ میں سمٹے ہوئے
ہیں۔ اس کی ذات منزہ اور بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اس کا
شریک ہو، جیسا کہ یہ لوگ قرار دے رہے ہیں۔

قُلِ لِلَّهِ الْحَمْدُ دَبَّتِ السَّمُوتُ وَدَبَّتِ الْأَرْضُ رَوَّابٍ
الْعَالَمِينَ وَلَهُ الْكِبَرِيَاءُ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (جاثیہ - ۳۷)

پس ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو زمین و آسمان اور
تمام کائنات کا رب ہے۔ کبریائی اسی کی ہے۔ آسمانوں میں بھی
اور زمین میں بھی۔ اور وہ سب پر غالب اور حکیم و داناس ہے۔

دَبَّتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ فَاصْطَبِرْ
لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا۔ (مریم - ۶۵)

وہ زمین اور آسمانوں کا مالک اور ان ساری چیزوں کا مالک ہے جو زمین و آسمان میں ہیں۔ لہذا تو اسی کی بندگی کر اور اس کی بندگی پر ثابت قدم رہ۔ کیا اس جیسا کوئی اور تیرے علم میں ہے؟

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهُ، فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ۔ (ہود۔ ۱۲۳)

زمین اور آسمانوں کی ساری پوشیدہ حقیقتیں اللہ کے علم میں ہیں اور سارے معاملات اسی کی سرکار میں پیش ہوتے ہیں۔ لہذا تو اسی کی بندگی کر اور اسی پر بھروسہ کر۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَحِيدًا۔ (الزل۔ ۹)

مشرق اور مغرب سب کا وہی مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہذا تو اسی کو اپنا مختار کار بنالے۔

اِنَّ هٰذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ وَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلُّ اِلٰهٍ دُوْنَ رَاجِعُوْنَ۔ (انبیاء۔ ۹۲-۹۳)

حقیقت میں تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں۔ لہذا تم میری ہی بندگی کرو۔ لوگوں نے اس کا یہ بوبیت اور اس معاملہ بندگی کو آپس میں خود ہی تقسیم کر لیا ہے مگر ان سب کو بہر حال ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔

اتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْ لِيَاۡءَ۔ (اعراف۔ ۳)

پیروی کرو اس کتاب کی جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور اسے چھوڑ کر دوسرے کار سازوں کی پیروی نہ کر۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا
وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا
وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ۔

(آل عمران - ۶۴)

کہو، اسے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور
تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم نہ تو اللہ کے سوا کسی کی بندگی
کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیں اور نہ ہم میں سے کوئی
انسان کسی دوسرے انسان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنائے۔

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ إِلَهِ

النَّاسِ۔ (الناس)

کہو میں پناہ ڈھونڈتا ہوں اس کی جو انسانوں کا رب انسانوں
کا بادشاہ اور انسانوں کا معبود ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔ (کہف - ۱۱۰)

پس جو اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ
نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی اور کی بندگی شریک
نہ کرے۔

ان آیات کو سلسلہ وار پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن
ربوبیت کو بالکل حاکمیت اور سلطانی (sovereignty) کا ہم معنی قرار دیتا ہے
اور ”رب“ کا یہ تصور ہمارے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ کائنات کا سلطان مطلق
اور لا شریک مالک و حاکم ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور تمام جہان کا پروردگار مربی اور حاجت روا

اسی حیثیت سے اس کی وفاداری وہ قدرتی بنیاد ہے جس پر ہماری اجتماعی زندگی کی عمارت صحیح طور پر قائم ہوتی ہے۔ اور اس کی مرکزی شخصیت سے وابستگی تمام متفرق افراد اور گروہوں کے درمیان ایک امت کا رشتہ پیدا کرتی ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہماری اور تمام مخلوقات کی بندگی، اطاعت اور پرستش کا مستحق ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور ہر چیز کا مالک، آقا اور فرماں روا ہے۔ اہل عرب اور دنیا کے تمام جاہل لوگ ہر زمانہ میں اس غلطی میں مبتلا تھے اور اب تک ہیں کہ ربوبیت کے اس جامع تصور کو انہوں نے پانچ مختلف انواع ربوبیتوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اپنے قیاس و گمان سے یہ رائے قائم کی کہ مختلف قسم کی ربوبیتیں مختلف سیٹیوں سے متعلق ہو سکتی ہیں اور متعلق ہیں قسراں اپنے طاقتور استدلال سے ثابت کرتا ہے کہ کائنات کے اس مکمل مرکزی نظام میں اس بات کی مطلق گنجائش نہیں ہے کہ اقتدار اعلیٰ جس کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا ربوبیت کا کوئی کام کسی دوسری سیٹی سے کسی درجہ میں بھی متعلق ہو۔ اس نظام کی مرکزیت خود گواہ ہے کہ ہر طرح کی ربوبیت اسی خدا کے لیے مختص ہے جو اس نظام کو وجود میں لایا۔ لہذا جو شخص اس نظام کے اندر رہتے ہوئے ربوبیت کا کوئی جز کسی معنی میں بھی خدا کے سوا کسی اور سے متعلق سمجھتا ہے یا متعلق کرتا ہے، وہ دراصل حقیقت سے ہٹتا ہے، صداقت سے منہ موڑتا ہے، حق کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور امر واقعی کے خلاف کام کر کے اپنے آپ کو خود نقصان اور ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے۔

عبادت

لُغَوِی تحقیق :

عربی زبان میں عبودۃ، عبودیت اور عبدیت کے اصل معنی خضوع اور تذلل کے ہیں۔ یعنی تابع ہو جانا، رام ہو جانا، کسی کے سامنے اس طرح سر ڈال دینا کہ اس کے مقابلہ میں کوئی مزاحمت یا انحراف و سرتابی نہ ہو، اور وہ اپنے منشا کے مطابق جس طرح چاہے خدمت لے۔ اسی اعتبار سے اصل عرب اس اونٹ کو بتعیر مُعْبَد کہتے ہیں جو سواری کے لیے پوری طرح رام ہو چکا ہو، اور اس راستے کو طریقِ معبد جو کثرت سے پامال ہو کر ہوا ہو گیا ہو۔ پھر اسی اصل سے اس مادہ میں غلامی، اطاعت، پوجا، ملازمت اور قیدی کا وٹ کے مفہومات پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ عربی لغت کی سب سے بڑی کتاب "لسان العرب" میں اس کی جو تشریح کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے :

۱۔ الْعَبْدُ، الْمَمْلُوكُ، خِلَافُ الْحُرِّ۔ عَبْدٌ وہ ہے جو کسی کی ملک ہو اور یہ لفظ حر (آزاد) کی ضد ہے۔ تَعْبَدُ الرَّجُلُ "آدمی کو غلام بنالیا اس کے ساتھ غلام جیسا معاملہ کیا۔ یہی معنی عَبْدًا، عَبْدًا اور عَبْدًا کے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ رَجُلٌ، عَبْدٌ مُّحَرَّرٌ، وَفِي رَوَايَةٍ عَبْدٌ مُّحَرَّرٌ (تین آدمی ہیں جن کے خلاف قیامت کے دن میں مستغیث بنوں گا۔ من جملہ ان کے ایک وہ شخص ہے جو کسی آزاد کو غلام بنانے یا غلام کو آزاد کرنے کے بعد پھر اس سے غلام کا سا

معاملہ کرے۔ حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا تھا۔ **وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا**
هَلِيَّ أَنْ عَبَّدْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ اور تیرا وہ احسان جس کا طعنہ تو
 مجھے دے رہا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام
 بنالیا۔

۲۔ **الْعِبَادَةُ الطَّاعَةُ مَعَ الْخُضُوعِ** عبادت اس طاعت کو کہتے ہیں جو
 پوری فرماں برداری کے ساتھ ہو۔ **عَبْدًا طَائِعًا** آئی اطاعت طاعت
 کی عبادت کی، یعنی اس کا فرماں بردار ہو گیا۔ **إِيَّاكَ نَعْبُدُ، أَيْ نَطِيعُ**
الطَّاعَةَ الَّتِي يَخُضَعُ مَعَهَا ہم تیری عبادت کرتے ہیں یعنی ہم
 تیری اطاعت پوری فرمانبرداری کے ساتھ کرتے ہیں۔ **أُعْبِدُوا رَبَّكُمْ**
أَيْ أَطِيعُوا رَبَّكُمْ اپنے رب کی عبادت کرو، یعنی اس کی اطاعت
 کرو۔ **قَوْمُهُمُ النَّاعِبُونَ أَيْ دَائِرُونَ وَكُلُّ مَنْ دَانَ لِمَلِكٍ**
فَهُوَ عَابِدٌ لَهُ وقال ابن النباری فلان عابد و هو الخاضع
 لربہ المستسلم المنقاد لامرہ۔ یعنی فرعون نے جو یہ کہا تھا کہ موسیٰ
 اور ہارون کی قوم ہماری عابد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہماری تابع
 فرمان ہے۔ جو شخص کسی بادشاہ کا مطیع ہے وہ اس کا عابد ہے۔ اور ابن
 النباری کہتا ہے فلان عابد کے معنی ہیں وہ اپنے مالک کا فرمانبردار
 اور اس کے حکم کا مطیع ہے۔

۳۔ **عِبَادَةُ عِبَادَةٍ وَمَعْبُدًا وَمَعْبُدَةً تَأْتِيهِ** اس کی عبادت کی، یعنی
 اس کی پوجا کی۔ **التَّعْبُدُ التَّنَسُّكُ** تعبد سے مراد ہے کسی کا پرستار اور
 پجاری بن جانا۔ شاعر کہتا ہے اری المال عند الباخلین معبداً۔
 ”میں دیکھتا ہوں کہ نخیلوں کے ہاں روپیہ بچتا ہے۔“

عبادۃ و عبادۃ لزومہ فلم یفارقہ، عبادۃ اور عبادۃ کہنے کا
 مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا اور جدا نہ ہوا، اس کا دامن

تھام لیا اور چھوڑا نہیں۔“

۵۔ ماعبدالک عنی ای صاحبسلک جب کوئی شخص کسی کے پاس آنے سے رک جائے، تو وہ یوں کہے گا کہ ماعبدالک عنی یعنی کس چیز نے تجھے میرے پاس آنے سے روک دیا۔“

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مادہ عبد کا اساسی مفہوم کسی کی بالادستی و برتری تسلیم کر کے اس کے مقابلہ میں اپنی آزادی و خود مختاری سے دست بردار ہو جانا، سرتابی و مزاحمت چھوڑ دینا اور اس کے لیے رام ہو جانا ہے یہی حقیقت بندگی و غلامی کی ہے۔ لہذا اس لفظ سے اولین تصور جو ایک عرب کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ بندگی و غلامی ہی کا تصور ہے۔ پھر چونکہ غلام کا اصلی کام اپنے آقا کی اطاعت و فرمانبرداری ہے، اس لیے لازماً اس کے ساتھ ہی اطاعت کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اور جب کہ ایک غلام اپنے آقا کی بندگی و اطاعت میں محض اپنے آپ کو سپرد ہی نہ کر چکا ہو بلکہ اعتقاد اس کی برتری کا قائل اور اس کی بزرگی کا معترف بھی ہو، اور اس کی مہربانیوں پر شکر و احسان مندی کے جذبہ سے بھی ہر شاعر ہو، تو وہ اس کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ کرتا ہے، مختلف طریقوں سے اعترافِ نعمت کا اظہار کرتا ہے اور طرح طرح سے مراسم بندگی بجالاتا ہے۔ اسی کا نام پرستش ہے اور یہ تصور عبدیت کے مفہوم میں صرف اس وقت شامل ہوتا ہے جبکہ غلام کا محض سری آقا کے سامنے جھکا ہوا نہ ہو بلکہ اس کا دل بھی جھکا ہوا ہو۔ رہے باقی دو تصورات تو وہ دراصل عبدیت کے ضمنی تصورات ہیں، اصلی اور بنیادی نہیں ہیں۔

لفظ عبادت کا استعمال قرآن میں:

اس لغوی تحقیق کے بعد جب ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب پاک میں یہ لفظ تمام تر پہلے تین معنوں میں استعمال ہوا ہے کہیں معنی اول و دوم ایک ساتھ مراد ہیں، کہیں معنی دوم اور کہیں صرف

معنی رسوم مراد لیے گئے ہیں، اور کہیں تینوں معنی یک وقت مقصود ہیں۔
عبادت بمعنی غلامی و اطاعت :

پہلے اور دوسرے معنی کی مثالیں حسب ذیل ہیں :-

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ
مُّبِينٍ - اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا
عَالِيْنَ، فَقَالُوْا اَاَنْتُمْ مِنْ لِّبَشَرِيْنَ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمْ لَنَا
عَابِدُوْنَ۔ (مومنون - ۲۵ - ۲۷)

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانہوں اور
مہر و دلیل و موریات کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیان سلطنت
کی طرف بھیجا۔ مگر وہ تکبر سے پیش آئے، کیونکہ وہ با اقتدار لوگ تھے۔
انہوں نے کہا کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں کا کہا مان لیں اور آدمی
بھی وہ جن کی قوم ہماری عابد ہے۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلٰی اَنْ عَبَدَتْ بِنِیْ اِسْرَآئِیْلَ۔

(الشعراء - ۲۲)

(فرعون نے جب موسیٰ کو طعنہ دیا کہ ہم نے تجھے اپنے مان بچپن
سے پالا ہے تو موسیٰ نے کہا، اور تیرا وہ احسان جس کا تو مجھے طعنہ دے
رہا ہے۔ یہی تو ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو اپنا عابد بنالیا۔

دونوں آیتوں میں عبادت سے مراد غلامی اور اطاعت و فرماں برداری
ہے۔ فرعون نے کہا موسیٰ اور ہارون کی قوم ہماری عابد ہے، یعنی ہماری غلام
اور ہمارے فرمان کی تابع ہے۔ اور حضرت موسیٰ نے کہا کہ تو نے بنی اسرائیل کو اپنا
عبد بنالیا ہے، یعنی ان کو غلام بنالیا ہے اور ان سے من مانی خدمت لیتا ہے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اٰمِنُوا بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَذُكُّمُ
اَشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ (البقرہ - ۱۷۲)

اسے ایمان لانے والا! اگر تم ہماری عبادت کرتے ہو تو ہم نے

جو پاک چیزیں تمہیں بخشی ہیں انہیں کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو۔

اس آیت کا موقع و محل یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اپنے مذہبی پیشواؤں کے احکام اور اپنے آباؤ اجداد کے اوام کی پیروی میں کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق طرح طرح کی قیود کی پابندی کرتے تھے جب ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”اگر تم ہماری عبادت کرتے ہو۔ تو ان ساری پابندیوں کو ختم کرو اور جو کچھ ہم نے حلال کیا ہے اسے حلال سمجھ کر بے تکلف کھاؤ پیو“ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے پندتوں اور بزرگوں کے نہیں بلکہ ہمارے بندے ہو، اور اگر تم نے واقعی ان کی اطاعت و فرمانبرداری چھوڑ کر ہماری اطاعت و فرمانبرداری قبول کی ہے تو اب تمہیں ملت و حرمت اور ہوا و عدم ہوا کے معاملہ میں ان کے بنائے ہوئے ضابطوں کے بجائے ہمارے ضابطہ کی پیروی کرنی ہوگی۔ لہذا یہاں بھی عبادت کا لفظ غلامی اور اطاعت ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ مِّنْ ذَٰلِكُمْ مَشُوبَةً مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ

مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَ

الْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ۔ (المائدة - ۶۰)

کہو میں بتاؤں تمہیں کہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بُرا انجام کن لوگوں کا ہے؛ وہ جن پر اللہ کی پشکار ہوئی اور اس کا غضب لوٹا، جن میں سے بہت سے لوگ بند اور سوار تک بتا دیے گئے، جنہوں نے طاغوت کی عبادت کی۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ

وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔ (النحل - ۳۶)

ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر یہ تعلیم دینے کے لیے بھیجا کہ اللہ

عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے باز رہو۔

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَتَّبِعُوا
أَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى - (الزمر - ۱۷)

اور جو شخصری سے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے طاغوت کی عبادت کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کیا۔

تینوں آیتوں میں طاغوت کی عبادت سے مراد طاغوت کی غلامی اور اطاعت ہے، جیسا کہ اس سے پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں، قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد ہر وہ ریاست و اقتدار اور ہر وہ رہنمائی و پیشوائی ہے جو خدا سے باغی ہو کر خدا کی زمین میں اپنا حکم چلائے اور اس کے بندوں کو زور و جبر سے یا تحریص و اطماع سے یا گمراہ کن تعلیمات سے اپنا تابع امر بنائے۔ ایسے ہر اقتدار اور ایسی ہر پیشوائی کے آگے سر تسلیم خم کرنا اور اس کی بندگی اختیار کر کے اس کا حکم بجالانا طاغوت کی عبادت ہے۔

عبادت بمعنی اطاعت :

اب ان آیات کو لیجیے جن میں عبادت کا لفظ صرف معنی دوم میں استعمال ہوا ہے۔

أَلَمْ آعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ - (یس - ۶۰)

اے بنی آدم! کیا میں نے تم کو تاکید نہ کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ظاہر ہے کہ شیطان کی پرستش تو دنیا میں کوئی بھی نہیں کرتا۔ بلکہ ہر طرف سے اس پر لعنت اور پھسکار ہی پڑتی ہے۔ لہذا بنی آدم پر جو فرد جرم اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے روز لگائی جائے گی، وہ اس بات کی نہ ہوگی کہ انہوں نے شیطان کی پوجا، بلکہ اس بات کی ہوگی کہ وہ شیطان کے کہنے پر چلے اور اس کے

احکام کی اطاعت کی اور جس جس راستہ کی طرف وہ اشارہ کرتا گیا اس پر دوڑے چلے گئے۔

أُحْشِرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزِدُوا جَهَنَّمَ وَمَا كَانُوا
يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَاهِدًا وَاهِمًا إِلَى صِرَاطِ الْحَنِيمِ
..... وَاقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ - قَالُوا
إِن كُنْتُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا
مُؤْمِنِينَ وَمَا كَان لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بَلْ كُنْتُمْ
قَوْمًا طَافِينَ - (طہمت - ۲۲ - ۳۰)

(جب قیامت برپا ہوگی تو اللہ فرمائے گا) تمام ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو اور معبودان غیر اللہ کو جن کی وہ عبادت کرتے تھے جمع کرو اور انہیں جہنم کا راستہ دکھاؤ..... پھر وہ آپس میں ایک دوسرے سے رد و کد کرنے لگیں گے عبادت کرنے والے کہیں گے کہ تم وہی لوگ تو ہو جو خبر کی راہ سے ہمارے پاس آتے تھے۔ ان کے معبود جواب دیں گے کہ اصل میں تو خود ایمان لاسنے پر تیار نہ تھے ہمارا کوئی زور تم پر نہ تھا۔ تم آپ ہی نافرمان لوگ تھے۔

اس آیت میں عابدوں اور معبودوں کے درمیان جو سوال و جواب نقل کیا گیا ہے اس پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں معبودوں سے مراد جنت اور دیوتا نہیں ہیں جن کی پوجا کی جاتی تھی، بلکہ وہ پیشوا اور رہنما ہیں جنہوں نے سجادوں اور تسبیحوں اور رُجبتوں اور گلیہوں سے بندگانِ خدا کو دھوکا دے دے کر اپنا معتقد بنایا جنہوں نے اصلاح اور خیر خواہی کے دعوے کر کے شر اور فساد پھیلائے۔ ایسے لوگوں کی اندھی تقلید اور ان کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت کرنے ہی کو یہاں عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اتَّخَذُوا أَهْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ

وَالْمَسِيحَ ابْنِ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا
وَاحِدًا ۚ (التوبہ - ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا کے بجائے اپنا رب بنالیا
اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت
کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔

یہاں علماء اور مشائخ کو رب بنا کر عبادت کرنے سے مراد ان کو امر و نہی
کا مختار ماننا اور خدا و پیغمبر کی سند کے بغیر ان کے احکام کی اطاعت بجالانا ہے۔
اسی معنی کی تصریح روایات صحیحہ میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے۔
جب آپ سے عرض کیا گیا کہ ہم نے علماء اور مشائخ کی پرستش تو کبھی نہیں کی تو آپ
نے جواب دیا کہ جس چیز کو انہوں نے حلال ٹھہرایا، کیا تم نے اسے حلال نہیں
سمجھ لیا؟ اور جسے انہوں نے حرام قرار دیا کیا تم نے اسے حرام نہیں بنالیا؟۔
عبادت بمعنی پرستش؛

اب تیسرے معنی کی آیات کو لیجیے۔ اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین کر
لینی چاہیے کہ قرآن کی رو سے عبادت بمعنی پرستش میں دو چیزیں شامل ہیں۔
ایک یہ کہ کسی کے لیے سجدہ و رکوع اور دست بستہ قیام اور طواف اور
استانہ بوسی اور نذر و نیاز اور قربانی وغیرہ کے وہ مراسم ادا کیے جائیں جو بالعموم
پرستش کی غرض سے ادا کیے جاتے ہیں قطع نظر اس سے کہ اسے مستقل بالذات
معبود سمجھا جائے یا بڑے معبود کے ہاں تقرب اور سفارش کا ذریعہ سمجھ کر ایسا
کیا جائے، یا بڑے معبود کے ماتحت خدائی کے انتظام میں شریک سمجھتے ہوئے
یہ حرکت کی جائے۔

دوسرے یہ کہ کسی کو عالم اسباب پر ذی اقتدار خیال کر کے اپنی حاجتوں
میں اس سے دعا مانگی جائے، اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں میں اس کو مدد کے لیے
پکارا جائے اور خطرات و نقصانات سے بچنے کے لیے اس سے پناہ مانگی جائے۔

یہ دونوں قسم کے فعل قرآن کی رو سے یکساں پرستش کی تعریف میں آتے ہیں۔
مثالیں:-

قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِي الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي. (المومن - ۶۶)
کہو، مجھے تو اس سے منع کر دیا گیا ہے کہ اپنے رب کی طرف سے
صریح ہدایات پالینے کے بعد میں ان کی پرستش کروں جنہیں تم خدا کو
چھوڑ کر پکارتے ہو۔

وَأَعْتَزِلْكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُوا رَبِّي..... فَلَمَّا اعْتَزَلْتُمُوهُ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
وَهَبْنَاهُ إِسْحَاقَ. (مریم - ۴۸ - ۴۹)

(ابراہیم نے کہا) میں تم کو اور اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے
ہو، ان سب کو چھوڑتا ہوں۔ اور اپنے رب کو پکارتا ہوں.....
پس جب وہ ان سے اور اللہ کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے تھے
ان سب سے الگ ہو گیا تو ہم نے اسے اسحاق جیسا بیٹا دیا.....

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مِمَّا لَا
يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ
دُعَائِهِمْ غَفِلُونَ، وَإِذَا احْشَرَ النَّاسَ كَانُوا
لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ.

(احقاف - ۵ - ۶)

اور اس سے زیادہ بہکا ہوا انسان اور کون ہو گا جو اللہ کو چھوڑ
کر انہیں پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے،
جنہیں خبر تک نہیں کہ ان کو پکارا جا رہا ہے۔ اور جو روز حشر میں جب کہ
لوگ جمع کیے جائیں گے، اپنے ان پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے اور

ان کی عبادت کا انکار کریں گے۔

تینوں آیتوں میں قرآن نے خود ہی تصریح کر دی ہے کہ یہاں عبادت مراد دعا مانگنا اور مدد کے لیے پکارنا ہے۔

بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْحِجْنَ أَكْثَرَهُمْ بِهِمْ
مُؤْمِنُونَ۔ (سبا-۴۱)

بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ان پر ایمان لائے ہوئے تھے۔

یہاں جنوں کی عبادت اور ان پر ایمان لانے سے جو کچھ مراد ہے اس کی تشریح سورہ ہجن کی یہ آیت کرتی ہے:-

وَأَنْتَ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْأَلْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالِ
مِّنَ الْحِجِّ۔ (ہجن-۶)

اور یہ کہ انسانوں میں سے بعض اشخاص جنوں میں سے بعض اشخاص کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنوں کی عبادت سے مراد ان کی پناہ ڈھونڈنا ہے اور خطرات و نقصانات کے مقابلہ میں ان سے حفاظت طلب کرنا ہے اور ان پر ایمان لانے سے مراد ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ وہ پناہ دینے اور حفاظت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ
وَأَنْتُمْ أَصْلَأْتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ۔
قَالُوا سُبْحَنَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِن دُونِكَ

۱۰ یعنی صاف کہیں گے کہ نہ ہم نے ان سے کہا کہ ہماری عبادت کرو اور نہ ہمیں اس کی بھی خبر ہوئی کہ یہ ہماری عبادت کرتے تھے۔

صن اولیاء۔ (الفرقان — ۱۷ — ۱۸)

جس روز اللہ ان کو اور ان کے معبودوں کو جمع کرے گا جن کی یہ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو وہ ان سے پوچھے گا کہ میرے ان بندوں کو تم نے بہکایا تھا یا یہ خود راہ راست سے بہک گئے؟ وہ عرض کریں گے سبحان اللہ! ہم کو کب زیارت تھا کہ حضور کو چھوڑ کر کسی کو دلی و رفیق بنائیں۔ یہاں اندازِ بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معبودوں سے مراد اولیاء اور صلحاء ہیں اور ان کی عبادت سے مراد ان کو بندگی کی صفات سے بالاتر اور خدائی کی صفات سے متصف سمجھنا، ان کو غیبی امداد اور مشکل کشائی و فریادری پر قادر خیال کرنا اور ان کے لیے تعظیم کے وہ مراسم ادا کرنا ہے جو پرستش کی حد تک پہنچے ہوئے ہوں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَكَةِ أَهْوُ كَلَاءِ
إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ۔ قَالُوا سُبْحَنَكَ أَنْتَ وَلَيْسَ لَنَا مِنْ
دُونِكَ۔ (سبا۔ ۲۰ — ۲۱)

جس روز اللہ سب کو اکٹھا کرے گا، پھر فرشتوں سے پوچھے گا، کیا وہ تم ہو جن کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے؟ تو وہ کہیں گے، سبحان اللہ! ہمیں ان سے کیا تعلق؟ ہمارا تعلق تو آپ سے ہے۔

یہاں فرشتوں کی عبادت سے مراد ان کی پرستش ہے جو ان کے استھان اور منزل اور خیالی محبے بنا کر کی جاتی تھی اور اس پوجا سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ ان کو خوش کر کے ان کی نظر عنایت اپنے حال پر مبذول کرائی جائے، اور اپنے دنیوی معاملات میں ان سے مدد حاصل کی جائے۔

۱۰۔ یہی فرشتے دوسری مشرک قوموں میں دیوتا (gods) قرار دیے گئے تھے، اور اہل عرب ان کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ
وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ - (يونس - ۱۸)

وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے تھے جو نہ انہیں نفع پہنچا سکتے تھے
نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ
إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى - (الزمر - ۳)

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی بنا رکھا ہے، وہ
کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ
سے قریب کر دیں۔

یہاں بھی عبادت سے مراد پرستش ہے اور اُسی غرض کی بھی تشریح کر دی
گئی ہے جس کے لیے یہ پرستش کی جاتی ہے۔
عبادت بمعنی بندگی و اطاعت و پرستش

اوپر کی مثالوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن میں عبادت
کا لفظ کہیں غلامی و اطاعت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، کہیں مجرد اطاعت
کے معنی میں۔ اب قبل اس کے کہ ہم وہ مثالیں پیش کریں جن میں یہ لفظ عبادت کے
ان تینوں مفہومات کا جامع ہے، ایک مقدمہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

اوپر جتنی مثالیں پیش کی گئی ہیں ان سب میں اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت
کا ذکر ہے۔ جہاں عبادت سے مراد غلامی و اطاعت ہے وہاں مجبور یا تو شیطان
ہے یا وہ باغی انسان ہیں جنہوں نے طاغوت بن کر خدا کے بندوں سے خدا کے
بجائے اپنی بندگی و اطاعت کرائی، یا وہ رہنما و پیشوا ہیں جنہوں نے کتاب اللہ سے
بے نیاز ہو کر اپنے خود ساختہ طریقوں پر لوگوں کو چلایا۔ اور جہاں عبادت سے مراد
پرستش ہے وہاں مجبور یا تو اولیاء، انبیاء اور صلحا ہیں جنہیں ان کی تعلیم و ہدایت کے
غلام مجبور بنایا گیا، یا فرشتے اور جن جن کو محض غلط فہمی کی بنا پر فوق طبیعی رتبہ

میں شریک سمجھ لیا گیا، یہ خیالی طاقتوں کے بُت اور تماثیل ہیں جو محض شیطانی اغوا سے مرکز پرستش بن گئے۔ قرآن ان تمام اقسام کے معبودوں کو باطل اور ان کی عبادت کو غلط ٹھہراتا ہے، خواہ ان کی غلامی کی گئی ہو یا اطاعت یا پرستش۔ وہ کہتا ہے کہ تمہارے یہ سب معبود جن کی تم عبادت کرتے رہے ہو، اللہ کے بندے اور غلام ہیں۔ نہ انہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ان کی عبادت کی جائے اور نہ ان کی عبادت سے بجز نامرادی اور ذلت و رسوائی کے تم کو کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ حقیقت میں ان کا اور ساری کائنات کا مالک اللہ ہی ہے، اس کے ہاتھ میں تمام اختیارات ہیں لہذا عبادت کا مستحق اکیلے اللہ کے سوا کوئی نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَلُكُمْ
فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ
..... وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْمَعُونَ
نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ۔ (اعراف - ۱۹۷-۱۹۸)

اللہ کو چھوڑ کر جنہیں تم پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں، جیسے تم خود بندے ہو۔ انہیں پکار کر دیکھ لو۔ اگر تمہارا عقیدہ ان کے بارے میں صحیح ہے تو وہ تمہاری پکار کا جواب دے دیں۔۔۔۔۔ اللہ کے سوا انہیں تم پکارتے ہو وہ نہ تو تمہاری کوئی مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی مدد پر قادر ہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ
مُكْرَمُونَ، لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأُمُورٍ يَعْمَلُونَ۔
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا

۱۵۔ جواب دینے سے مراد جواب میں پکارنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد جوابی کارروائی کرنا ہے جیسا کہ اس سے پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

لِمَنِ اِذْ تَضَى وَهُدًى مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ۔ (انبیاء۔ ۲۴-۵۸)
 یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمان نے کسی کو بیٹا بنایا، بالآخر ہے وہ اس سے
 کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ جنہیں یہ اس کی اولاد کہتے ہیں وہ دراصل اس کے
 بندے ہیں جن کو عزت دی گئی ہے ان کی اتنی مجال نہیں کہ وہ خود سبقت
 کر کے اللہ کے حضور کچھ عرض کر سکیں بلکہ جیسا وہ حکم دیتا ہے اسی کے
 مطابق وہ عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان پر ظاہر ہے اسے بھی اللہ جانتا ہے
 اور جو کچھ ان سے پوشیدہ ہے اس کی بھی اللہ کو خبر ہے۔ وہ اللہ کے
 حضور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے بجز اس کے کہ جس کی سفارش خود اللہ
 ہی قبول کرنا چاہے اور ان کا حال یہ ہے کہ اللہ کے خوف سے رہتے ہیں۔

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ

إِنشَاء۔ (زخرف۔ ۱۹)

ان لوگوں نے فرشتوں کو دراصل رحمان کے بندے ہیں دیو یاں
 بنا رکھا ہے۔

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ

إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ۔ (صافات۔ ۱۵۸)

انہوں نے جنوں کے اور خدا کے درمیان نسیبی تعلق فرض کر لیا ہے
 حالانکہ جن خود بھی جانتے ہیں کہ ایک روز انہیں حساب کے لیے اس کے
 حضور پیش ہونا ہے۔

لَنْ يُشْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ

الْمُقَرَّبُونَ، وَمَنْ يَشْكُفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَشْكُرْ

فَسَبِّحْهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا۔ (النساء - ۱۷۲)

یہ مسیح نے کبھی اس کو اپنے لیے عار سمجھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور
یہ مقرب فرشتوں نے۔ اور جو کوئی اس کی بندگی و غلامی میں عار سمجھے
اور تکبر کرے وہ بھاگ کر جا کہاں سکتا ہے) ایسے سب لوگوں کو اللہ
اپنے حضور کھینچ بلائے گا۔

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ، وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ
يَسْجُدَانِ۔ (الرحمن - ۵ - ۶)

سُورج اور چاند سب گردش میں لگے ہیں اور تارے اور درخت
خدا کے آگے سُرطاعت جھکائے ہوئے ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَ
إِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ
تَسْبِيحَهُمْ۔ (بنی اسرائیل - ۲۲)

ساتوں آسمان اور زمین اور جس قدر موجودات آسمان و زمین میں
ہیں سب کے سب اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں، کوئی چیز ایسی نہیں جو حمد و ثنا
کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَّهُ قَانُونٌ۔

(الروم - ۲۶)

آسمانوں اور زمین کی کل موجودات اس کی ملک ہے اور ساری
چیزیں اس کے فرمان کی تابع ہیں۔

مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هِيَ آخِذَةٌ بِيَمِينِهِمَا۔ (ہود - ۵۶)

کوئی جاندار ایسا نہیں جو اللہ کے قبضہ قدرت میں جکڑا ہوا نہ ہو۔

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ
عَبْدًا قَدْ أَخْضَعَهُمْ وَعَدَّاهُمْ عَدًّا أَوْ كَلَّاهُمْ آتِيَهُ يَوْمَ

الْقِيَمَةُ قَرْدًا ۱۔ (مریم - ۹۲ - ۹۵)

زمین اور آسمانوں کے باشندوں میں سے کوئی نہیں جو جہن کے سامنے غلام کی حیثیت سے پیش ہونے والا نہ ہو۔ اس نے سب کا شمار کر رکھا ہے اور قیامت کے روز سب اس کے حضور فرداً فرداً پیش ہوں گے۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (آل عمران - ۲۶)

کہو یا مالک کے مالک، تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے بھلائی تیرے اختیار میں ہے، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس طرح ان سب کو جن کی عبادت کسی شکل میں کی گئی ہے، اللہ کا غلام اور بے اختیار ثابت کر دینے کے بعد قرآن تمام جن وانس سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہر مہموم کے لحاظ سے عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہیے۔ غلامی ہو تو اس کی، اطا ہو تو اس کی پرستش ہو تو اس کی، ان میں سے کسی نوع کی عبادت کا شائبہ تک بھی غیر اللہ کے لیے نہ ہو۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَ

اجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔ (النحل - ۳۶)

ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھی بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے پرہیز کرو۔

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنِ يَعْبُدُوا وَهَآؤَآنَا بُوَا

إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى۔ (الزمر - ۱۷)

نو شخبری ہے ان کے لیے جنہوں نے طاغوت کی عبادت سے

پرہیز کیا اور اللہ کی طرف رجوع کر لیا۔

لَمْ يَأْخُذْ بِهَذَا الْيَمِينِ آدَمُ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ وَأَنْ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ

(یس ۴۰-۴۱)

اسے بنی آدم! کیا میں نے تم کو تاکید کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ
کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا، یہ سیدھا راستہ ہے۔

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ
اللَّهِ..... وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا۔

(التوہرہ-۳۱)

انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا رب
بنالیا، حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ
کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ
وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنَّ كُفْرَكُمْ يَتَّعِبُ دُونَكُمْ۔ (بقرہ-۱۷۲)

اے ایمان لائے والو! اگر تم نے واقعی ہماری عبادت اختیار
کی ہے تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں بے تکلف کھاؤ اور
خدا کا شکر ادا کرو۔

ان آیات میں اللہ کے لیے اس عبادت کو مخصوص کرنے کا
حکم دیا گیا ہے جو بندگی و غلامی اور اطاعت و فرمانبرداری کے معنی
میں ہے۔ اور اس کے لیے صاف قرینہ موجود ہے کہ طاغوت اور
شیطان اور اجارہ ور بہان اور آباء اجداد کی اطاعت و بندگی سے
پرہیز کر کے اللہ کی اطاعت و بندگی اختیار کرنے کی ہدایت کی جا رہی

قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِي الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (المومن - ۴۶)

کہو، مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں اپنے رب کو چھوڑ کر ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے بجائے پکارتے ہو، جبکہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس بتیاں بھی آچکی ہیں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے آگے تسلیم ختم کروں۔

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ۔ (المومن - ۶۰)

اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔ اور جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ یقیناً جہنم میں جھونکے جائیں گے۔

ذَٰلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۚ إِنَّ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بَشِرْكُمْ۔ (فاطر - ۱۳-۱۴)

وہی اللہ تمہارا رب ہے، پادشاہی اسی کی ہے، اس کے سوا تم جن کو پکارتے ہو ان کے اختیار میں ذرہ برابر کچھ نہیں۔ تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سن نہیں سکتے اور سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت کے روز وہ تمہارے اس شرک کا انکار کریں گے۔

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ قَرَارًا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (المائدہ - ۷۶)

کہو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں، نہ نفع پہنچانے کی، سب کچھ سننے اور جاننے والا تو اللہ ہی ہے۔

ان آیات میں اس عبادت کو اللہ کے لیے مختص کرنے کی ہدایت کی گئی ہے جو پرستش کے معنی میں ہے۔ اور اس کے لیے بھی صاف قرینہ موجود ہے کہ عبادت کو دعا کے مترادف کی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہے اور ماقبل مابعد کی آیات میں ان مجودوں کا ذکر پایا جاتا ہے جنہیں فوق الطبیعی ربوبیت میں اللہ کا شریک قرار دیا جاتا ہے۔

اب کسی صاحب بصیرت آدمی کے لیے یہ سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ جہاں جہاں قرآن میں اللہ کی عبادت کا ذکر ہے اور اس پاس کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے جو لفظ عبادت کو اس کے مختلف مفہومات میں سے کسی ایک مفہوم کے لیے خاص کرتا ہو، ایسے تمام مقامات میں عبادت مراد غلامی، اطاعت اور پرستش، تینوں مفہوم ہوں گے۔ مثال کے طور پر حسب ذیل آیات کو دیکھیے:-

إِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ۔ (طہ-۱۲)

میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی الہ نہیں، لہذا تو میری ہی عبادت کر۔

ذَٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ

فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَکِیْلٌ۔ (انعام-۱۰۳)

وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی الہ نہیں، ہر چیز کا

خالق، لہذا تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر شے کی خبر گیری کا متکفل ہے۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ کُنْتُ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَ

اعْبُدُوا الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰکِنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ

الَّذِیْ یَتَوَقَّکُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

کہو، کہ اسے لوگو! اگر تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہے کہ میرا دین کیا ہے تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری رُوح میں قبض کرتا ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لاسنہ والوں میں شامل ہو جاؤں۔

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَشْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ، إِنْ الْكُفْرُ إِلَّا إِلَهُ أَمَرَ أَنْ تَعْبُدُوهُ إِلَّا إِيَّاهُ، ذَٰلِكَ السِّبْطُ الْقَيِّمُ۔ (یوسف - ۲۰)

اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی دلیل معبودیت نازل نہیں کی ہے۔ اقتدار صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ خود اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے یہی سیدھا طریقہ ہے۔

وَاللَّهُ خَبِيرُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ يُرْجِعُ الْأَمْوَالَ كُلَّهَا نَاعِبُذًا وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ۔ (ہود - ۱۲۳)

آسمانوں اور زمین کی جس قدر حقیقتیں بدلوں سے پوشیدہ ہیں ان کا علم اللہ ہی کو ہے اور سارے معاملات اسی کی سرکار میں پیش ہوتے ہیں۔ لہذا تو اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ رکھ۔

لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِيَنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ، وَمَا كَانَ رِجْلُكَ نَسِيًّا، رَبُّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ۔ (مریم - ۶۴-۶۵)

جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہم سے پوشیدہ ہے اور جو کچھ

ان دونوں حالتوں کے درمیان سب سے سب کا مالک وہی ہے، اور
تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے۔ وہ مالک ہے آسمان اور زمین کا اور
ان ساری چیزوں کا جو زمین و آسمان کے درمیان ہیں لہذا تو اسی کی
عبادت کر اور اسی کی عبادت پر ثابت قدم رہ۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا
وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔ (کہف۔ ۱۱۰)

پس جو اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو وہ نیک عمل کرے اور

اپنے رب کی عبادت میں کسی کی عبادت شریک نہ کرے۔

کوئی وجہ نہیں کہ ان آیات اور ایسی ہی دوسری تمام آیات میں عبادت
کے لفظ کو محض پرستش یا محض بندگی و اطاعت کے لیے مخصوص ٹھہرایا
جائے۔ اس طرح کی آیات میں دراصل قرآن اپنی پوری دعوت پیش کرتا ہے۔
اور ظاہر ہے کہ قرآن کی دعوت یہی ہے کہ بندگی، اطاعت، پرستش جو کچھ بھی ہو اللہ
کی ہو۔ لہذا ان مقامات پر عبادت کے معنی کو کسی ایک مفہوم میں محدود کرنا حقیقت
میں قرآن کی دعوت کو محدود کرنا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ
قرآن کی دعوت کا ایک محدود تصور لے کر ایمان لائیں گے وہ اس کی ناقص
نامہ پیروی کریں گے۔

دین

لغوی تحقیق:

کلام عرب میں لفظ دین مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) غلبہ و اقتدار، حکمرانی و فرمانروائی، دوسرے کو اطاعت پر مجبور کرنا، اس پر اپنی قوتِ قاہرہ (sovereignty) استعمال کرنا، اس کو اپنا غلام اور تابع امر بنانا۔ مثلاً کہتے ہیں ذَا انَّ النَّاسَ، اٰی قَهْرُهُمْ عَلٰی الطَّاعَةِ (یعنی لوگوں کو اطاعت پر مجبور کیا)۔ دَنُّهُمْ قَدْ اَنُوْا اٰی قَهْرَتُهُمْ فَاطَاعُوْا (یعنی میں نے ان کو مغلوب کیا اور وہ مطیع ہو گئے)۔ دَنْتُ الْقَوْمَ اٰی ذَلَّلْتُهُمْ وَاسْتَعْبَدُوْهُمْ میں نے فلاں گروہ کو مستعز کر لیا اور غلام بنالیا، ذَا انَّ الرَّجُلَ اِذَا عَزَّزَ فُلَانٌ شَخْصَ عِزَّتْ اور طاقت والا ہو گیا، دَنْتُ الرَّجُلَ حَمَلْتُہٗ عَلٰی مَا یُکْرَہُ۔ میں نے اس کو ایسے کام پر مجبور کیا جس کے لیے وہ راضی نہ تھا۔ دَیْنٌ فُلَانٌ۔ اِذَا حَمَلَ عَلٰی مَكْرُوْہٍ (فلاں شخص اس کام کے لیے بزور مجبور کیا گیا)۔ دَنْتُہٗ اٰی مُسْتُہٗ وَ مَلَکْتُہٗ (یعنی میں نے اس پر حکم چلایا اور فرمانروائی کی)۔ دَیْنْتُہٗ الْقَوْمَ وَلِیْتُہٗ سَیَاسَتُہُمْ (یعنی میں نے لوگوں کی سیاست و حکمرانی فلاں شخص کے سپرد کر دی) اسی معنی میں خطیبہ اپنی ماں کو خطاب کر کے کہتا ہے :-

لَقَدْ دَیْنْتُ اَمْرَیْنِیْکَ حَقًّا تَرِکْتُہُمْ اَدَقُّ مِنَ الطَّحِیْنِ

دو اپنے بچوں کے معاملات کی ننگراں بنائی گئی تھی۔ آخر کار تو نے انہیں

آٹے سے بھی زیادہ باریک کر کے چھوڑا۔

حدیث میں آتا ہے اَلْکَلْبُ مَنْ ذَا اَنْ نَفْسُهُ وَفِعْلُ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ
یعنی عقل مند ہے جس نے اپنے نفس کو مغلوب کر لیا اور وہ کام کیا جو اس کی
آخرت کے لیے نافع ہو۔ اسی معنی کے لحاظ سے دیتان اس کو کہتے ہیں جو کسی
ملک یا قوم یا قبیلے پر غالب و قابض ہو اور اس پر فرماں روائی کرے۔ چنانچہ
اعشی الحمرانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہتا ہے یا سید الناس
ودیتان العرب۔ اور اسی لحاظ سے مدین کے معنی غلام اور مدینہ کے معنی
نوٹری، اور ابن مدینہ کے معنی نوٹری زادے کے آتے ہیں۔ اخطل کہتا ہے
راہت و ربانی حجرہ ابن مدینہ۔ اور قرآن کہتا ہے

قُلُوْا لِرَاٰی کُنْتُمْ عَلٰی مَدٰیْنٍ ۝ تَوَجُّعُوْهَا ۙ اِنَّ

کُنْتُمْ صٰدِقٰیْن ۝ (الواقہ ۸۵، ۸۶)

یعنی اگر تم کسی کے ملوک، تابع، ماتحت نہیں ہو تو مرنے والے
کو موت سے بچا کیوں نہیں لیتے؟ جان کو واپس کیوں نہیں پٹا لاتے؟
(۲) اطاعت، بندگی، خدمت، کسی کے لیے منخر ہو جانا، کسی کے تحت امر
ہونا، کسی کے غلبہ و قہر سے دب کر اس کے مقابلہ میں ذلت قبول کر لینا۔ چنانچہ
کہتے ہیں دِنْتُهُمْ قَدْ اَتَوْا اَیَّ قَهْرَتُهُمْ فَاَطَاعُوْا رِیْعٰی یٰۤاِنَّ اَنْ کُو
مغلوب کر لیا اور وہ لوگ مطیع ہو گئے) دِنْتُ الرَّجُلَ، اِیْ خِدْمَتُهُ یعنی
ہیں نے فلاں شخص کی خدمت کی، حدیث میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا اُرِیْدُ
مِنْ قُرَیْشٍ کَلِمَةً تَدِیْنُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ اَیْ تُطِیْعُهُمْ
وَتُخَضِعَ لَهُمْ۔ (۳) قریش کو ایک ایسے کلمہ کا پیر و بنانا چاہتا
ہوں کہ اگر وہ اسے مان لے تو تمام عرب اس کا تابع فرمان بن
جائے اور اس کے آگے جھک جائے) اسی معنی کے لحاظ سے
اطاعت شعار قوم کو قوم دین کہتے ہیں۔ اور اسی معنی میں دین کا لفظ
حدیث و تواتر میں استعمال کیا گیا ہے، یمرقون من الدین مروق

المسلم من الرعية

(۳) شریعت، قانون، طریقہ، کیش و ملت، رسم و عادت۔ مثلاً کہتے ہیں مَا ذَاكَ الَّذِي دِينِي وَدِينُكَ۔ یعنی یہ ہمیشہ سے میرا طریقہ رہا ہے۔
يُقَالُ دَانَ، اِذَا اخْتَارَ خَيْرًا وَشَرًّا۔ یعنی آدمی خواہ بُرے طریقہ کا پابند ہو یا اچلے طریقہ کا، دونوں صورتوں میں اس طریقہ کو جس کا وہ پابند ہے دین کہیں گے۔ حدیث میں ہے کَانَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ بِدِينِهِمْ قُرَيْشٌ اور وہ لوگ جو اُن کے مسلک کے پیرو تھے اور حدیث میں ہے اِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ عَلَى دِينِ قَوْمِهِ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے اپنی قوم کے دین پر تھے۔ یعنی نکاح، طلاق میراث اور دوسرے تمدنی و معاشرتی امور میں انہی قاعدوں اور ضابطوں کے پابند تھے جو اپنی قوم میں رائج تھے۔

(۴) اجزاء و عمل، بدلہ، مکافات، فیصلہ، محاسبہ۔ چنانچہ عربی میں مثل ہے کَمَا تَدِينُ شِدَانٌ، یعنی جیسا تو کرے گا ویسا بھرے گا، قرآن میں کفار کا یہ قول نقل فرمایا گیا ہے اَوْثَانًا مَدِيخُونَ؟ کیا مرنے کے بعد ہم سے حساب لیا جائے والا ہے اور ہمیں بدلہ ملنے والا ہے؟ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غوارج دین یعنی تسبیح سے نکل جائیں گے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب ان کے متعلق پوچھا گیا اَكْفَارُهُمْ کیا یہ لوگ کافر ہیں؟ تو آپ نے فرمایا من الکفر فروا، کفر ہی سے تو وہ بھاگے ہیں۔ پھر پوچھا گیا اَفَمُتْنَا فِقُونَ؟ کیا یہ منافق ہیں؟ آپ نے فرمایا منافق تو خدا کو کم یاد کرتے ہیں اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ شب و روز اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اسی پر یہ متعین ہوتا ہے کہ اس حدیث میں دین سے مراد اطاعت امام ہے۔ چنانچہ ابن اثیر نے نہایت اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں: اِذَا دَانَ الدِّينَ الطَّاعَةَ، اَي اَنِهِيَ يَخْرُجُونَ مِنَ طَاعَةِ الْاِمَامِ

المفترض الطاعة وينسلخون منها۔ جلد ۲ صفحہ ۲۷۱-۲۷۲

آتا ہے لَا تَسْبُوا السُّلْطَانَ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَقُولُوا اللَّهُمَّ دِنُهُمْ

کہا یہ دینوں۔ اپنے حکمرانوں کو گالیاں نہ دو۔ اگر کچھ کہنا ہی ہو تو یوں کہو کہ خدایا جیسا یہ ہمارے ساتھ کر رہے ہیں ویسا ہی تو ان کے ساتھ کر۔ اسی معنی میں لفظ دین بمعنی قاضی و حاکم عدالت آتا ہے چنانچہ کسی بزرگ سے جب حضرت علی کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کان دیان هذا الامۃ بعد نبیہا۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ اُمت کے سب سے بڑے قاضی تھے۔

قرآن میں لفظ دین کا استعمال :

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ دین کی بنیاد میں چار تصورات ہیں، یا بالفاظ دیگر یہ لفظ عربی ذہن میں چار بنیادی تصورات کی ترجمانی کرتا ہے۔

۱۔ غلبہ و تسلط، کسی ذی اقتدار کی طرف سے۔
۲۔ اطاعت، تعبد اور بندگی صاحب اقتدار کے آگے جھک جانے والے کی طرف سے۔

۳۔ قاعدہ و ضابطہ اور طریقہ جس کی پابندی کی جائے۔

۴۔ محاسبہ اور فیصلہ اور جزا و سزا۔

انہی تصورات میں سے کبھی ایک کے لیے اور کبھی دوسرے کے لیے اہل عرب مختلف طور پر اس لفظ کو استعمال کرتے تھے، مگر چونکہ ان چاروں امور کے متعلق عرب کے تصورات پوری طرح صاف نہ تھے اور کچھ بہت زیادہ بلند بھی نہ تھے اس لیے اس لفظ کے استعمال میں ابہام پایا جاتا تھا۔ اور یہ کسی باقاعدہ نظام فکر کا اصطلاحی لفظ نہ بن سکا۔ قرآن آیات اس نے اس لفظ کو اپنے منشا کے لیے مناسب پا کر بالکل واضح و متعین مفہومات کے لیے استعمال کیا اور اس کو اپنی مخصوص اصطلاح بنالیا۔ قرآنی زبان میں لفظ دین ایک پورے نظام کی

نمائندگی کرتا ہے۔ جس کی ترکیب چار اجزاء سے ہوتی ہے۔

۱۔ حاکمیت و اقتدارِ اعلیٰ۔

۲۔ حاکمیت کے مقابلہ میں تسلیم و اطاعت۔

۳۔ وہ نظامِ فکر و عمل جو اس حاکمیت کے زیر اثر بنے۔

۴۔ مکافات جو اقتدارِ اعلیٰ کی طرف سے اس نظام کی وفاداری و اطاعت

کے صلے میں یا سرکشی و بغاوت کی پاداش میں دی جائے۔

قرآن کبھی لفظ دین کا اطلاق معنی اول و دوم پر کرتا ہے، کبھی معنی سوم پر کبھی معنی چہارم پر اور کہیں الدین بول کر یہ پورا نظام اپنے چاروں اجزاء سمیت مراد لیتا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے حسب ذیل آیات قرآنی ملاحظہ ہوں۔

دین بمعنی اول و دوم

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً
وَوَوَّرَكُمُ وَأَحْسَنَ صُورَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ اللَّطِيبَاتِ
ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ۔ هُوَ
الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (المومن - ۶۲ - ۶۵)

وہ اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس پر آسمان کا قہہ چھایا، جس نے تمہاری صورتیں بنائیں، جس نے پاکیزہ چیزوں سے تم کو رزق بہم پہنچایا، وہی اللہ تمہارا رب ہے اور بڑی برکتوں والا ہے وہ رب العالمین ہے۔ وہی زندہ ہے۔ اس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ لہذا تم اسی کو پکارو دین کو اسی کے لیے خاص کر کے تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ وَ
أُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔ قُلِ اللَّهُ أَعْبُدُ

مُخْلِصًا لَهُ دِينِي فَاَعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُونِهِ
..... وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ

اَنَّا بُوْذُوْا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى۔ (الزمر-۱۱-۱۷)

کہو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خاص کر کے اسی کی
بندگی کروں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں خود میرا طاعت
سمجھاؤں..... کہو میں تو دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اسی کی
بندگی کروں گا۔ تم کو اختیار ہے اس کے سوا جس کی چاہو بندگی اختیار
کرتے پھرو..... اور جو لوگ طاغوت کی بندگی کرنے سے پرہیز
کریں اور اللہ کی ہی طرف رجوع کریں۔ ان کے لیے خوشخبری ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاَعْبُدِ اللّٰهَ
مُخْلِصًا لَهُ الدِّيْنَ اَلَّذِيْنَ الْخَالِصُ۔ (الزمر-۲-۳)
ہم نے تمہاری طرف کتاب برحق نازل کر دی ہے لہذا تم دین کو
اللہ کے لیے خالص کر کے صرف اسی کی بندگی کرو۔ خبردار! دین خالصۃً
الشرعی کے لیے ہے۔

وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا
اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ۔ (النحل-۵۲)

زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اللہ کے لیے ہے اور دین
خالصۃً اسی کے لیے ہے۔ پھر کیا اللہ کے سوا تم کسی اور سے تقوا سے
کرو گے؟ یعنی کیا اللہ کے سوا کوئی اور ہے جس کے حکم کی خلاف ورزی
سے تم بچو گے اور جس کی ناراضی سے تم ڈرو گے؟

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْعُوْنَ وَلَهُ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔ (آل عمران-۸۳)

کیا یہ لوگ اللہ کے سوا کسی اور کا دین چاہتے ہیں؟ حالانکہ

آسمان و زمین کی ساری چیزیں چاروں اچار اللہ ہی کی مطیع فرمان ہیں اور اسی کی طرف ان کو پلٹ کر جانا ہے۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ
حُنَفَاءَ۔ (البینہ-۵)

اور ان کو اس کے سوا کھٹی اور حکم نہیں دیا گیا تھا کہ بکسو ہو کر دین کو اللہ کے لیے خالص کر تے ہوئے صرف اسی کی بندگی کریں۔

ان تمام آیات میں دین کا لفظ اقتدارِ اعلیٰ اور اس اقتدار کو تسلیم کر کے اس کی اطاعت و بندگی قبول کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ کے لیے دین کو خالص کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی حاکمیت، فرمانروائی، حکمرانی اللہ کے سوا کسی کی تسلیم نہ کرے، اور اپنی اطاعت و بندگی کو اللہ کے لیے اس طرح خالص کر دے کہ کسی دوسرے کی مستقل بالذات بندگی و اطاعت اللہ کی اطاعت کے ساتھ شریک نہ کرے۔

دین بمعنی سووم:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ دِينِي فَلَا

۱۔ یعنی اللہ کے سوا جس کی اطاعت بھی ہو اللہ کی اطاعت کے تحت اور اس کے مقرر کردہ حدود کے اندر ہو۔ بیٹے کا باپ کی اطاعت کرنا، بیوی کا شوہر کی اطاعت کرنا، غلام یا نوکر کا آقا کی اطاعت کرنا اور اسی نوع کی دوسری تمام اطاعتیں اگر اللہ کے حکم کی بنا پر ہوں اور ان حدود کے اندر ہوں جو اللہ نے مقرر کر دی ہیں تو یہ عین اطاعت الہی ہیں۔ اور اگر وہ اس سے آزاد ہوں، یا بالفاظ دیگر بجائے خود مستقل اطاعتیں ہوں، تو یہی عین بغاوت ہیں۔ حکومت اگر اللہ کے قانون پر مبنی ہے اور اس کا حکم جاری کرتی ہے تو اس کی اطاعت فرض ہے اور اگر ایسی نہیں ہے تو اس کی اطاعت جرم۔

أَعْبُدُوا الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَعْبُدُ
اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّكُمُ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ
وَأَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ
الْمُشْرِكِينَ۔ (یونس - ۱۰۴-۱۰۵)

کہو کہ اسے لوگو! اگر تم کو میرے دین کے بارے میں کچھ شک ہے
یعنی اگر تم کو صاف معلوم نہیں ہے کہ میرا دین کیا ہے، تو لو سنو! میں
ان کی بندگی و عبادت نہیں کرتا جن کی بندگی و اطاعت تم اللہ کو چھوڑ کر
کر رہے ہو، بلکہ میں اس کی بندگی کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے۔
مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں جو اسی اللہ کے ماننے
والے ہیں، اور یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تو یکسو ہو کر اسی دین پر اپنے
آپ کو قائم کر دے اور شرک کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَٰلِكَ
الدِّينُ الْقَيِّمُ۔ (یوسف - ۲۰)

حکمرانی اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے اس کا فرمان ہے کہ
تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو یہی ٹھیک ٹھیک صحیح دین ہے۔
وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قَانِشُوْنَ
..... ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ تَكْمَدُوْنَ
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءٍ فِىْ مَا رَزَقْنَاكُمْ فَاَنْتُمْ
فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ..... بَلِ
اَتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا اَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ..... فَاَقِمْ
وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ
عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (الروم - ۲۶-۳۰)

زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اسی کے مطیع فرمان ہیں۔۔۔۔۔
 وہ تمہیں سمجھانے کے لیے خود تمہارے اپنے معاملہ سے ایک
 مثال پیش کرتا ہے۔ بتاؤ یہ غلام تمہارے مملوک ہیں کیا ان میں سے
 کوئی ان چیزوں میں جو ہم نے تمہیں دی ہیں تمہارا شریک بن گیا تم انہیں
 اس مال کی ملکیت میں اپنے برابر حصہ دار بناتے ہو۔ کیا تم ان سے اپنے
 ہم چشموں کی طرح ڈرتے ہو؟۔۔۔۔۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ
 علم کے بغیر محض اپنے تخیلات کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔
 پس تم کیسو ہو کر اپنے آپ کو اس دین پر قائم کر دو۔ اللہ نے جس
 فطرت پر انسانوں کو پیدا کیا ہے اسی کو اختیار کر لو۔ اللہ کی مٹائی
 ہوئی ساخت کو بدلنا نہ جانتے۔ یہی ٹھیک ٹھیک صحیح دین ہے۔
 مگر اکثر لوگ نادانی میں پڑے ہوئے ہیں۔

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
 مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْ كُفْرُ بَعْدَ إِقْرَافِهِ فِي دِينِ اللَّهِ

(النور-۲)

زانی اور زانیہ دونوں کو سو سو کوڑے مارو اور اللہ کے دین
 کے معاملہ میں تم کو ان پر رحم نہ آئے۔

إِنَّ عَذَابَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي
 كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ
 حُرُمٌ، ذَلِكَ الْيَوْمُ الْقِيَمُ۔ (التوبہ-۳۶)

۱۔ یعنی اللہ نے جس ساخت پر انسان کو پیدا کیا ہے وہ تو یہی ہے کہ انسان کی تخلیق میں
 اس کی رزق رسانی میں، اس کی ربوبیت میں خود اللہ کے سوا کوئی دوسرا شریک نہیں
 ہے نہ اللہ کے سوا کوئی اس کا خدا ہے نہ مالک اور نہ مطاع حقیقی۔ پس محض فطری
 طریقہ یہ ہے کہ آدمی بس اللہ کا بندہ ہو اور کسی کا بندہ نہ ہو۔

الشرك کے نوشتے میں تو اس وقت سے مہینوں کی تعداد ۱۲ ہی چلی آتی ہے۔ جب سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے ان بارہ مہینوں میں سے ۴ مہینے حرام ہیں۔ یہی ٹھیک ٹھیک صحیح دین ہے۔

كَذَّابًا كَذَّابًا لِّيُؤْتِيَهُ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي
دِينِ الْمَلَائِكَةِ - (يوسف - ۷۶)

اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر نکالی۔ اس کے لیے جائز نہ تھا کہ اس بادشاہ کے دین میں اپنے بھائی کو پکڑتا۔

وَكَذَّابًا زَيْنَ بَكْشِيٍّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتَلَ أَوْلَادَهُمْ
شُرَكَاءُ وَهُمْ لَيُرَدُّوهُمْ وَلِيْلِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ -

(انعام - ۱۳۸)

اور اس طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو ایک خوش آئند فعل بنا دیا تاکہ انہیں ہلاکت میں ڈالیں اور ان کے لیے ان کے دین کو مشتبہ بنائیں۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ وَشَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ
يَأْذَنَ بِهِ اللَّهُ - (الشوری - ۲۱)

۱۔ شریک سے مراد ہے خداوندی و فرماں روائی میں اور قانون بنانے میں خدا کا شریک ہونا۔

۲۔ دین کو مشتبہ بنانے سے مطلب یہ ہے کہ جھوٹے شریعت ساز اس گناہ کو ایسا خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں جس سے عرب کے لوگ اس شبہ میں پڑ گئے ہیں کہ شاید یہ فعل بھی اس دین کا ایک جز ہے جو ان کو ابتداءً حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام سے ملا تھا۔

کیا انہوں نے کچھ شریک شہراریکھے ہیں جو ان کے لیے دین کی
قسم سے ایسے قوانین بناتے ہیں جن کا اللہ نے اذن نہیں دیا ہے؟
لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ - (الکافرون)

تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

ان سب آیات میں دین سے مراد قانون، ضابطہ، شریعت، طریقہ اور
وہ نظام فکر و عمل ہے جس کی پابندی میں انسان زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر وہ
اقتدار جس کی سند پر کسی ضابطہ و نظام کی پابندی کی جاتی ہے۔ خدا کا اقتدار ہے
تو آدمی دین خدا میں ہے۔ اگر وہ کسی بادشاہ کا اقتدار ہے تو آدمی دین بادشاہ میں
ہے۔ اگر وہ پنڈتوں اور پروہتوں کا اقتدار ہے تو آدمی انہی کے دین میں ہے۔
اور اگر وہ خاندان، برادری، یا جمہوریہ قوم کا اقتدار ہے تو آدمی ان کے دین میں ہے۔
غرض جس کی سند کو آخری سند اور جس کے فیصلے کو منتہائے کلام مان کر آدمی کسی
طریقہ پر چلتا ہے اسی کے دین کا وہ پیرو ہے۔

دین بمعنی چہارم:

إِنَّمَا تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نَقْرَأُكَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ الَّتِي كُنَّا نَقْرَأُكَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ

(الذاریات - ۶)

وہ خبر جس سے تمہیں آگاہ کیا جاتا ہے (یعنی زندگی بعد موت)

یقیناً سچی ہے اور دین یقیناً ہونے والا ہے۔

أَرَأَيْتَ الْكَافِرَ إِذَا دُعِيَ إِلَى الْإِسْلَامِ فَذَكَرَ إِلَهُ الْإِسْلَامِ

يَدْعُهُمُ الْإِسْلَامَ وَلَا يَحْصُلُ عَلَى طَعَامِ الْإِسْلَامِ - (الماعون - ۱-۳)

تم نے دیکھا اس شخص کو جو دین کو جھٹلاتا ہے؛ وہی ہے جو تیم کو

دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر نہیں آکھاتا۔

وَمَا آذَاكَ مَا يُؤْمَرُ الْإِسْلَامِ ثُمَّ مَا آذَاكَ مَا

يُؤْمَرُ الْإِسْلَامِ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ

يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ - (انقطاع - ۱۷-۱۹)

تمہیں کیا خبر کہ یوم الدین کیا ہے۔ ہاں تم کیا جانو کیا ہے یوم الدین۔ وہ دن ہے کہ جب کسی متنفس کے اختیار میں کچھ نہ ہوگا کہ دوسرے کے کام آسکے، اس روز سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔

ان آیات میں دین بمعنی محاسبہ و فیصلہ و جزائے اعمال استعمال ہوا ہے۔

دین ایک جامع اصطلاح:

یہاں تک تو قرآن اس لفظ کو قریب قریب انہی مفہومات میں استعمال کرتا ہے جن میں یہ اہل عرب کی بول چال میں مستعمل تھا۔ لیکن اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لفظ دین کو ایک جامع اصطلاح کی حیثیت سے استعمال کرتا اور اس سے ایک ایسا نظام زندگی مراد لیتا ہے جس میں انسان کسی کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرے اس کی اطاعت و فرمانبرداری قبول کرے، اس کے حدود و ضوابط اور قوانین کے تحت زندگی بسر کرے، اس کی فرمانبرداری پر عزت، ترقی اور انعام کا امیدوار ہو اور اس کی نافرمانی پر ذلت و خواری اور سزا سے ڈرے۔ غالباً دنیا کی کسی زبان میں کوئی اصطلاح ایسی جامع نہیں ہے جو اس پورے نظام پر حاوی ہو۔ موجودہ زمانہ کا لفظ "اسٹیٹ" کسی حد تک اس کے قریب پہنچ گیا ہے۔ لیکن ابھی اس کو "دین" کے پورے معنوی حدود پر حاوی ہونے کے لیے مزید وسعت درکار ہے۔

حسب ذیل آیات میں "دین" اسی اصطلاح کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا
يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ
الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ
عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ۔ (توبہ - ۲۹)

اہل کتاب میں سے جو لوگ نہ اللہ کو مانتے ہیں یعنی اس کو واحد

مقتدر اعلیٰ تسلیم نہیں کرتے، نہ یوم آخرت (یعنی یوم الحساب اور یوم
الجزاء) کو مانتے ہیں نہ ان چیزوں کو حرام مانتے ہیں جنہیں اللہ اور
اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، اور دین حق کو اپنا دین نہیں
بناتے ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ ادا کریں
اور چھوٹے بن کر رہیں۔

اس آیت میں ”دین حق“ اصطلاحی لفظ ہے جس کے مفہوم کی تشریح
واضح اصطلاح جل شانہ نے پہلے تین فقروں میں خود کر دی ہے۔ ہم فقرہ
میں نمبر لگا کر واضح کر دیا ہے کہ لفظ دین کے چاروں مفہوم ان فقروں میں بیان
کیے گئے ہیں اور پھر ان کے مجموعے کو ”دین حق“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔
وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ
إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ
الْفِسَادَ۔ (المومن - ۲۶)

فرعون نے کہا چھوڑ دیجئے، میں اس موسیٰ کو قتل بھی کیے دیتا ہوں
اور اب پکارے وہ اپنے رب کو مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ تمہارا
دین نہ بدل دے، یا ملک میں فساد نہ کھڑا کر دے۔

قرآن میں قصہ فرعون و موسیٰ کی جتنی تفصیلات آئی ہیں ان کو نظر میں رکھنے
کے بعد اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہاں دین مجرد ”مذہب“ کے معنی میں
نہیں آیا ہے بلکہ ریاست اور نظام تمدن کے معنی میں آیا ہے۔ فرعون کا کہنا
یہ تھا کہ اگر موسیٰ اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو اسٹیبلشمنٹ بدل جائے گا۔ جو
نظام زندگی اس وقت فراعنہ کی حاکمیت اور ملک الوقت قوانین و رسوم کی بنیادوں
پر چل رہا ہے وہ جڑ سے اکھڑ جائے گا اور اس کی جگہ یا تو دوسرا نظام بالکل
دوسری ہی بنیادوں پر قائم ہوگا، یا نہیں تو سرے سے کوئی نظام قائم ہی نہ
ہو سکے گا بلکہ تمام ملک میں بد نظمی پھیل جائے گی۔

إِنَّا الْبَاقِينَ عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا سَلَامٌ - (آل عمران - ۱۹)

اللہ کے نزدیک وہی تو دراصل "اسلام" ہے۔

وَمَنْ يُبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ

مِنْهُ - (آل عمران - ۸۵)

اور جو "اسلام" کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا۔ اس

سے وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ

لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَكُورَ الْفُتُونِ -

(التوبہ - ۳۳)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسولوں کو صحیح رہنمائی اور

دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو پوری جہن دین پر غالب کر

دے اگرچہ شرک کرنے والوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ

كُلَّهُ لِلَّهِ - (انفال - ۳۹)

اور تم ان سے لڑے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین

بالکلیہ اللہ ہی کا ہو جائے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ

فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ

إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا - (التصر)

جب اللہ کی مدد آگئی اور فتح نصیب ہو چکی اور تم نے دیکھ لیا کہ

لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب اپنے

رب کی حمد و ثنا اور اس سے درگزر کی درخواست کرو، وہ بڑا معاف

کرنے والا ہے۔

ان سب آیات میں دین سے پورا نظام زندگی اپنے تمام اعتقادی نظری، اخلاقی اور عملی پہلوؤں سمیت مراد ہے۔

پہلی دو آیتوں میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کے نزدیک انسان کے لیے صحیح نظام زندگی صرف وہ ہے جو خود اللہ ہی کی اطاعت و بندگی (اسلام) پر مبنی ہو۔ اس کے سوا کوئی دوسرا نظام، جس کی بنیاد کسی دوسرے مفروضہ اقتدار کی اطاعت پر ہو، مالک کائنات کے ہاں ہرگز مقبول نہیں ہے، اور فطرۃً نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ انسان جس کا مخلوق، مخلوک اور پروردہ ہے، اور جس کے ملک میں رعیت کی حیثیت سے رہتا ہے، وہ تو کبھی یہ نہیں مان سکتا کہ انسان خود اس کے سوا کسی دوسرے اقتدار کی بندگی و اطاعت میں زندگی گزارنے اور کسی دوسرے کی ہدایات پر چلنے کا حق رکھتا ہے۔

تیسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو اسی صحیح و برحق نظام زندگی یعنی اسلام کے ساتھ بھیجا ہے اور اس کے مشن کی غایت یہ ہے کہ اس نظام کو تمام دوسرے نظاموں پر غالب کر کے رہے۔

چوتھی آیت میں دین اسلام کے پیروؤں کو حکم دیا گیا ہے کہ دنیا سے لڑو اور اس وقت تک دم نہ لو جب تک فتنہ، یعنی اُن نظامات کا وجود دنیا سے مٹ نہ جائے جن کی بنیاد خدا سے بغاوت پر قائم ہے اور پورا نظام اطاعت و بندگی اللہ کے لیے خالص نہ ہو جائے۔

پانچویں آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس موقع پر خطاب کیا گیا ہے جب کہ ۲۳ سال کی مسلسل جدوجہد سے عرب میں انقلاب کی تکمیل ہو چکی تھی، اسلام اپنی پوری تفصیلی صورت میں ایک اعتقادی و فکری، اخلاقی و تعلیمی، تمدنی و معاشرتی اور معاشی و سیاسی نظام کی حیثیت سے عملاً قائم ہو گیا تھا، اور عرب کے مختلف گوشوں سے وفد پر وفد آکر اس نظام کے دائرے

میں داخل ہونے لگے تھے۔ اس طرح جب وہ کام تکمیل کو پہنچ گیا جس پر محمد صلی
 اللہ علیہ وسلم کو مامور کیا گیا تھا تو آپ سے ارشاد ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ کو
 اپنا کارنامہ سمجھ کر کہیں غرور نہ کرنے لگنا، نقص سے پاک بے عیب ذات اور کامل
 ذات صرف تمہارے رب ہی کی ہے، لہذا اس کا یہ عظیم کی انجام دہی پر اس کی
 تسبیح اور حمد و ثنا کرو اور اس ذات سے درخواست کرو کہ مالک! اس ۲۳
 سال کے زمانہ خدمت میں اپنے فرائض ادا کرنے میں جو خامیاں اور کوتاہیاں
 مجھ سے مسند ہو گئی ہوں انہیں معاف فرما دے۔
